اتباعِ سنت

سنتوں کی اہمیت | سنت کی برکتیں | سنتیں کیسے سیکھیں؟ | اور بہت کچھ ...

کرتا رہا میں محسنِ انسانیت کی نقل
احسان اپنے آپ پر کرتا چلا گیا

ازافادات حضرت حاجی شکیل احمد صاحب مدظلہ العالی
مُجازِ بیعت حضرت مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم

جو نبی کا نہیں وہ خدا کا نہیں

اتباعِ سنت

یادرکھو

یادر کھے جاؤ گے

ازافادات

حضرت الحاج شکیل احمد صاحب دامت برکاتہم

مجازِ بیعت

عارف باللہ حضرت اقدس شاہ مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم

پسندفرمودہ

حضرت مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی دامت برکاتہم

استاذِ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

جامع

احبابِ حضرت والا

مرتِّب

محمد سہیل قاسمی

(یکے از خدّامِ حضرت والا)

تفصیلات

کتاب کا نام : اتباعِ سنت: یادرکھو، یادر کھے جاؤ گے

تقریظ : عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب جونپوری دامت برکاتہم

ازافادات : حضرت الحاج شکیل احمد صاحب دامت برکاتہم

جامع : احبابِ حضرت والا

مرتِّب : محمد سہیل قاسمی (یکے از خدّامِ حضرت والا)

تعدادِ اشاعت : دوہزار (۲۰۰۰)

اشاعتِ دوم : ۱۴۳۳ھ ۲۰۱۲ء

ناشر : حرا

HIRA PUBLICATION

Sub. Plot no.14, Final Plot 524, Bushra Park, Panvel. 410206. Ph. +91-9892915021

e-mail: hirapublication@gmail.com

ملنے کے پتے

- ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، محمد علی روڈ، ممبئی ۳، انڈیا۔ ... Ph: 022-23435243
- مکتبہ حکیم الامت، سہارن پور، یوپی، انڈیا۔ .... Ph: 09759870037
- کتب خانہ محمودیہ، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ .... Ph: 09358451593
- مکتبہ مدنیہ، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ .... Ph: 09927622304

{عناوین}

عرضِ مرتب

اسلام ایک کامل اور مکمل دستورِ زندگی ہے اور جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی ذاتِ عالی اور آپ کی سیرتِ مبارکہ اس دستورِ زندگی کی عملی تفسیر ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، اخلاقیات ہوں یا معاشرت، زندگی کے تمام شعبوں میں آپ نے اپنے اقوال وافعال سے، اپنے اخلاق وکردار سے اور اپنی عادات وطبائع سے اس نظامِ حیات کے ایک ایک جز کی مکمل وضاحت اور تشریح کی ہے اور اپنے متبعین کو اس دستور کے مطابق زندگی گذارنے کے لیے ایک ایسا صاف اور بے غبار راستہ بتا گئے ہیں کہ جس پر چلنے میں انھیں کوئی دقت اور پریشانی نہ ہو اور جس پر چل کر وہ بہ آسانی اپنے پیارے رب کی رضا اور خوش نودی حاصل کرسکیں۔

قرآنِ مجید کی بہت سی آیات اور حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی بہت سی احادیثِ مبارکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ کی تعلیمات کی پیروی اور آپ کی سنتوں کا اتباع ہی انسان کے ظاہر وباطن کی اصلاح کا نسخۂ اکسیر اور دونوں جہاں میں کامیابی کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف عبادات میں آپ کی اطاعت واتباع کا مطالبہ کیا گیا؛ بل کہ زندگی کے دیگر شعبوں، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت حتیٰ کہ عادات وطبائع میں بھی آپ کی اطاعت واتباع کی تاکید کی گئی۔ گویا حضرت نبیٔ کریم ﷺ کو ان کی امت کے درمیان ایک آئیڈیل کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا اور انھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس نمونے کے مطابق خود بھی زندگی گذاریں اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی اس نمونے کے مطابق بنانے کی فکر اور کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علما اور مشائخ نے حضور اکرم ﷺ کے شمائل وخصائل کو اور آپ کی سنن وادعیہ کو نہایت اہتمام کے ساتھ جمع فرمایا اور مختلف

زبانوں میں لکھ کرانھیں عام کیااوراپنے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی زندگیوں کواسی قالب میں ڈھالنے کی اورانھیں کے رنگ میں رنگنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اللہ رب العزت ان کی ان خدماتِ جلیلہ کوشرفِ قبولیت عطافرماکران کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے جس میں باقاعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل وخصائل اورآپ کی سنن اوردعاؤں کا بیان تونہیں ہے؛ تاہم ان شمائل وخصائل، سنن اوردعاؤں کواپنی عملی زندگی کا حصہ بنانے کے سلسلے سے ایک بہت ہی مؤثرتحریک وترغیب ضرور ہے۔

سنت کیا ہے؟ اس پرعمل کے دینی ودنیوی منافع کیا ہیں؟ حضراتِ صحابۂ کرامؓ کے دورسے لے کرآج تک امت کے برگزیدہ بندوں نے اسے کس درجہ اہمیت کا حامل سمجھا اوراسے کس طرح اپنی زندگی کا جزوِلاینفک بنایا؟ نیزاس پرانھیں کیاانعامات وبشارتیں ملیں؟ ان تمام سوالوں کے جوابات کوان کے اقوال وواقعات کے حوالے سے نہایت پُراثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک خاص بات یہ کہ اگرکوئی شخص سنت کی اہمیت اورافادیت کوسننے یاپڑھنے کے بعداپنی زندگی کوسنت کے سانچے میں ڈھالنا چاہے تواسے کرنا کیاہوگا؟ اس بات کوبھی نہایت آسان اورعام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اس موضوع پرکوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے؛ بل کہ حضرت والادامت برکاتہم کے سفرِ بنگلور کے دوران ہونے والے مختلف بیانات کے اہم اقتباسات ہیں جنھیں موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظرآپ سے محبت کرنے والے بعض احباب نے قلم بند کرلیا تھا۔ یہ اقتباسات بکھرے موتیوں کی شکل میں اس عاجز کے پاس پہنچے تھے جنھیں بفضلہٖ تعالیٰ اس نے حضرت

والاکی ایماپرجوکہ اس عاجز کے لیے حکم کادرجہ رکھتی ہے، اس امید کے ساتھ ایک خاص ترتیب کے ساتھ پرودیا ہے کہ اس عظیم الشان کام میں کچھ میرابھی حصہ ہوجائے اوراس کی برکت سے مجھے بھی اپنی زندگی کوسنت کے سانچے میں ڈھالنے کی توفیق ہوجائے اوریہ خدمت میرے لیے نجات کاذریعہ بن جائے۔ آپ ان معروضات کوپڑھیں اورعمل کی نیت سے پڑھیں، مجھے امید ہی نہیں؛ بل کہ یقین ہے کہ اگرمیری بداعمالیوں کی نحوستیں درمیان میں حائل نہ ہوئیں توآپ اس دردِدل کوجوبہ شکلِ معروضات پیشِ خدمت ہے، ضرورمحسوس کریں گے۔

یہ عاجز خدائے ذوالمنن کی بے نیاز بارگاہ میں دست بستہ التجا کرتا ہے کہ وہ اس ٹوٹی پھوٹی خدمت کوشرفِ قبولیت عطافرماکراسے میرے گناہوں کی بخشش کا، اپنی رضا کے حصول کااورروزِ قیامت حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہونے کا بہانہ بنادیں کہ میرے نزدیک اس کوشش کا اصلِ حاصل یہی ہے۔ ایسا نہ ہوکہ کام تومقبول ہوجائے اورمیں گناہوں کی غلاظت میں لت پت ہونے کے سبب ان کی پاک بارگاہ میں قبولیت نہ پاسکوں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْہُ۔

محمد سہیل عفی عنہ

۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۷؍فروری ۲۰۱۲ء

تقریظِ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لحضرۃ الجلالۃ والنعت لخاتم الرسالۃ والصلوٰۃ والسلام علی من کان نبیاً والاٰدم علیہ السلام بین الماء والطین فسبحان من خلق الانسان من ماءٍ مھینٍ، وأنطق لہ اللسان وأعطاہ البیان وان من البیان لسحراً ،وذٰلك فضل اللہ یعطیہ لمن یشآء ماشآء ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ولٰکن اکثر الناس لایعلمون،وللہ الخلق والامر کلہ فاذا ارادشیئاً فیقول لہ کن فیکون ۔بعد!

تاریخ میں قدرت کے ایسے شواہد موجود ہیں کہ قادر وقہار جل جلالہٗ نے بے روح اور بے جان چیزوں کے واسطے اور ذریعے قدرت کے ایسے شاہکار اور نمونے ایجاد فرمائے ہیں کہ عرفاءِ ذی روح دنگ رہ گئے،مثلاً خشک اور بوسیدہ لکڑی ہونے کے باوجود استنِ حنانہ کا فراقِ حبیبِ رب العالمین پر آہ وبکا اور وہ بھی ایسا کہ بڑے بڑے عرفا اصحاب سے نہ بن پڑے،اور بہت ہی معمولی اور ضعیف تر پرند کے واسطے ابرہہ جیسے دم خم اور سینہ تاننے والے ہاتھیوں اور ہاتھی سواروں کے چھکے چھڑا دیئے۔اس لیے آج بھی ہم اور آپ اگر کسی کو کچھ نہ سمجھتے ہوں مگر خدا تعالیٰ قادر وقہار اس سے ایسا کام لے لیں جو ہم جیسے انار کھنے والوں سے نہ بن آئے تو کیا عجب ہے۔پیشِ نظر رسالہ جو آپ کے روبرو کم از کم اس حقیر کے روبرو اسی طرح کے عجائبات میں سے ہے اور یہ پڑھنے کو دل چاہتا ہے کہ ؎

نگارِ من کہ نہ مکتب رسید و درس نہ کرد سبق بغمزہ بیاموخت صد مدرس شد

اس سے میری مراد میرے محبوب ومحب دوست وصدیقِ حمیم بھائی شکیل احمد زادمجدہٗ ہیں ان کی جس کاوشِ معہود پر یہ خامہ فرسائی یہ سودائی کررہا ہے آپ کے سامنے ہے پڑھئے اور خود فیصلہ فرمایئے کہ اس ناکارہ کی گذارشات محض مجنون کی بڑ ہیں یا کچھ حق اور حقیقت بھی۔آگے بس ایک جملہ پر اپنی ہرزہ سرائی ختم کرتا ہوں کہ

؎ لذتِ مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

بس پڑھ کر ہی فیصلہ کیجیے"وما اردت الا اظہار ماھو الحق عندی"

واخیراً دوبارہ کہتا ہوں کہ ؎ لذتِ مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

بس خود پڑھ کر فیصلہ کیجیے۔

والسلام

ناکارہ وآوارہ،قسمتوں کا مارا

محمد حنیف غفرلہٗ جونپوری

۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ ۷؍فروری ۲۰۱۲ء

تقریظِ دوم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

نبیٔ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ساری دنیائے انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' محسنینِ امت کے جتنے طبقے ہیں، چاہے وہ فقہا ہوں، محدثین ہوں، مفسرین ہوں، اہلِ معرفت ہوں، سبھی کسی نہ کسی جہت سے امت کو اسی اسوۂ رسول ﷺ سے منسلک کرتے ہیں۔ خدائے کریم جزائے خیر دے محترم الحاج جناب شکیل احمد صاحب مدظلہ العالی خلیفۂ خاص حضرت اقدس مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم کو کہ موصوف ہمہ وقت اپنی مجالس، ملفوظات اور بیانات کے ذریعے امت کو حضور اکرم ﷺ کی سنن اور اسوۂ حسنہ سے جوڑنے کی سعی فرماتے رہتے ہیں۔ اسی حسین سلسلے کی ایک مبارک کڑی یہ کتاب ''اتباعِ سنت'' ہے، جو موصوف کے مختلف بیانات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر دل میں عشقِ رسول ﷺ کے مبارک جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں محبوبِ خدا ﷺ کی سنتوں کے اتباع کی لگن پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے فیوض و برکات کو اسی طرح جاری وساری رکھے اور ان کی عمر وصحت میں برکت، نیز امت کی طرف سے انھیں بہترین بدلہ نصیب فرمائے، آمین۔

محمد راشد اعظمی

مدرس دارالعلوم دیوبند

۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

یادرکھیں! مسلمان کی نیت بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے، لہٰذا اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے یہ نیت ضرور کرلیں کہ میں اس کتاب کو اللہ پاک کی رضا اور ان کی خوش نودی حاصل کرنے کی غرض سے پڑھ رہا ہوں۔ نیز یہ کہ اس کتاب میں دین کی جو بات بھی پڑھوں گا ان شاء اللہ اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ جب آپ اس نیت سے پڑھیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو عمل کی توفیق ضرور عطا فرمائیں گے۔ اس نیت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ جس بات پر عمل کرنا مشکل ہوگا، آپ کی سچی نیت اور پکے ارادے کی برکت سے اللہ پاک اس پر عمل کرنا آپ کے لیے آسان فرمادیں گے اور جتنا وقت اس کتاب کو پڑھنے پر لگے گا وہ دین بنتا جائے گا اور عبادت میں شمار ہوگا۔

کچھ گذارشات

۱ ❁ کتاب پڑھنے سے قبل یہ دعا ضرور کرلیں کہ یا اللہ! آپ اس کتاب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنادیجیے۔

۲ ❁ کتاب پڑھنے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کریں جو الجھنوں یا پریشانیوں سے گھرا ہوا نہ ہو، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذہن پر الجھن تو کسی اور وجہ سے سوار ہوتی ہے، لیکن چبھن محسوس ہوتی ہے کتاب کے مضمون سے۔

۳ ❁ کتاب پڑھنے سے پہلے توبہ استغفار ضرور کرلیں تاکہ دل پر گناہوں کا جو غبار چھایا ہوا ہے وہ چھٹ جائے۔

۴ ❁ کتاب کے مطالعے کے وقت ایک قلم ہمیشہ ساتھ میں رکھیں اور جن امور میں

خود کو کوتاہ محسوس کرتے ہوں، ان پر نشان لگادیں اور انھیں بار بار پڑھیں اور ان کی اصلاح کے لیے خوب دعائیں بھی مانگیں اور کوشش بھی کریں۔

۵ ﴾ اس کتاب کو خود بھی پڑھیں، گھر والوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیں، نیز اسے پڑھنے کی اپنے دوست احباب کو بھی دعوت دیں اور اس میں جو باتیں عمل سے متعلق ہوں انھیں اپنانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ان کی جانب متوجہ کریں۔

۶ ﴾ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر آپ کو کتاب کے مشمولات سے کوئی دینی نفع محسوس ہو تو آپ حضرت والا دامت برکاتہم کے لیے اور ان باتوں کو یکجا کرکے کتابی صورت میں آپ تک پہنچانے کے مختلف مراحل میں کسی بھی طرح شریک ہونے والے معاونین کے لیے خصوصی طور پر دعاؤں کا اہتمام کریں۔

ایک اہم گذارش

ہر مسلمان سے عموماً اور اہلِ علم حضرات سے خصوصاً گذارش ہے کہ دورانِ مطالعہ اس کتاب کی جمع وترتیب میں کسی قسم کی کوئی غلطی یا کوتاہی یا مزید بہتری کی کوئی صورت نظر آئے تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں، یہ آپ کا ہم پر احسانِ عظیم ہوگا۔

رابطے کا نمبر: 9920148283

فون کا وقت: عصر تا مغرب۔

(جمعہ اور اتوار کے روز فون نہ کریں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ (آل عمران)

وَقَالَ: وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا۔ (الحشر)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ) وَھٰکَذَا قَالَ: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ (مشکوٰۃ)

ہر عقل مند شخص نفع چاہتا ہے

محترم بزرگو اور دوستو! دنیا میں ہر عقل مند انسان اپنا نفع چاہتا ہے، نقصان کوئی نہیں چاہتا، جو انسان ذرا بھی عقل وشعور رکھتا ہے وہ نفع ہی کی طرف دوڑتا ہے اور نقصان سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر ذی عقل اور ذی شعور آدمی کی یہی فطرت اور اس کا یہی مزاج ہے کہ وہ کسی بھی کام کو بے فائدہ نہیں کرتا؛ بل کہ ایک خاص مقصد اور ایک خاص فائدے کے پیشِ نظر اسے انجام دیتا ہے۔

اب یہ نفع جو وہ کسی کام کو کرنے کے بعد چاہتا ہے، عام طور سے لوگوں کے تجربے کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے یہ کام کیا تھا اور اسے اس کام سے یہ نفع ہوا تھا لہٰذا ہم بھی یہ کام کریں، تاکہ ہمیں بھی وہ نفع حاصل ہو۔ عام طور سے دنیا کا دستور یہی ہے۔ اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ جب آدمی اس کام کو کرتا ہے تو اسے وہ مطلوبہ نفع حاصل ہوجاتا ہے۔

انسانی فطرت

لیکن یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے۔یعنی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جس کام کو کر کے لوگوں نے نفع اٹھایا ہو اس کام کو کرنے کے بعد یقینی طور پر وہ نفع ہمیں بھی حاصل ہوگا؛ بل کہ کبھی کبھی اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے اور آدمی اس نفع والے کام کو کرنے کے باوجود نقصان اٹھاتا ہے۔لیکن ہماری فطرت اور طبیعت کچھ ایسی ہے کہ جب ہم لوگوں کو کسی کام کے ذریعے نفع حاصل کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو اگر چہ اس کام میں نقصان کا امکان بھی ہو اور ہمارے علم اور مشاہدے میں وہ نقصان کچھ لوگوں کو پہنچا بھی ہو، اس کے باوجود ہماری طبیعت اس کام کی طرف چلتی ہے اور ہم اس کام کو کر کے اپنا مطلوبہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اور اگر ہمیں کوئی نفع والا کام معلوم نہیں ہوتا تو ہم جاننے والوں کو تلاش کرتے ہیں، ان کے پاس جاتے ہیں، ان سے مشورہ کرتے ہیں کہ بھئی! ہم ایک نفع والا کام کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن ہمیں یہ پتہ نہیں کہ آج کل کس کام میں اور کس لائن میں نفع زیادہ ہے، کس کام میں ترقی کے امکانات زیادہ ہیں۔لہٰذا آپ برائے مہربانی اس معاملے میں ہماری کچھ رہنمائی کریں۔پھر ان جاننے والوں کے بتلانے کے مطابق ہم اس نفع والے کام کی طرف اپنا قدم بڑھاتے ہیں اور امکانی نفع کی امید کے ساتھ اس کام کو شروع کر دیتے ہیں۔کام شروع کر دینے کے بعد اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہم بھی اس کام کو کرنے کے بعد نفع حاصل کر لے جاتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھی اس کے برخلاف بھی ہو جاتا ہے اور نفع کے کام کو کرنے کے باوجود ہمیں نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ صرف ہماری نہیں؛ بل کہ تقریباً ہر ذی عقل اور ذی شعور آدمی کی فطرت اور طبیعت ایسی ہی ہے۔

الغرض یہ ایک تمہیدی گفتگو تھی کہ دنیا میں ہر ذی عقل اور ذی شعور آدمی نفع چاہتا ہے اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے۔پھر یہ عرض کیا گیا کہ نفع کے حصول کی خاطر جو کام ہم اختیار کرتے ہیں وہ کام باوجود اکثر نفع دینے کے نقصان سے خالی نہیں ہوتا۔

ایک سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا میں سارے ہی کام ایسے ہیں کہ ان میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال رہتا ہے یا کوئی کام ایسا بھی ہے جس کو کرنے کے بعد آدمی کو سو فیصد نفع ہی ہوتا ہے، اس میں کسی طرح کے نقصان کا کوئی امکان نہیں ہوتا؟ جب ہم اس سوال کو دنیا والوں کے سامنے رکھتے ہیں اور ان سے اس سوال کا جواب مانگتے ہیں تو ان کے پاس اس کا کوئی مثبت جواب نہیں ہوتا۔وہ یہی کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کسی ایسی تجارت، ایسی زراعت یا دیگر شعبوں سے متعلق کسی ایسے کام کا کوئی علم نہیں جس میں سو فیصد نفع ہوتا ہو اور اس میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

سو فیصد نفع والا کام

ہاں البتہ جب ہم اپنا یہ سوال اپنے خالق و مالک سے اور ان کی جانب سے بھیجے گئے آخری پیغمبر جناب نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں تو وہ ہمارے اس سوال کا مثبت جواب دیتے ہیں اور ایک ایسے کام کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں جسے کرنے کے بعد آدمی کو سو فیصد نفع ہی ہوتا ہے، نقصان کبھی نہیں ہوتا؛ بل کہ اس میں نقصان کا امکان ہی نہیں ہوتا۔

اگر ہمیں کسی ایسے کام کا علم ہو جائے جس میں سو فیصد نفع ہوتا ہو، نقصان کبھی نہ ہوتا ہو تو کیا خیال ہے، ہم میں سے ہر ایک آدمی اس کام کو کرنا چاہے گا یا نہیں؟ ضرور کرنا چاہے گا؛ بل کہ سب

سے پہلے کرنا چاہے گا اور جلد سے جلد یہ جاننا چاہے گا کہ آخر وہ کام ہے کون سا؟ آپ بھی جاننا چاہتے ہیں؟ تو پھر سنئے وہ کام اتباعِ سنت ہے۔ یہ اتباعِ سنت ایک ایسا کام ہے جس کو کرنے کے بعد آدمی کو ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے نقصان کبھی نہیں ہوتا۔

اللہ کا محبوب بنا دینے والا عمل

پھر یہ کہ سنت کی اتباع کر کے آدمی کو صرف سو فیصد نفع ہی نہیں ہوتا؛ بل کہ مزید انعام یہ ملتا ہے کہ اس کے ذریعے اسے لوگوں کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے۔ اور صرف لوگوں کی محبوبیت نہیں ملتی؛ بل کہ فرشتوں کی محبوبیت بھی نصیب ہوتی ہے۔ اور صرف فرشتوں کی محبوبیت نہیں ملتی؛ بل کہ نبی کی محبوبیت بھی نصیب ہوتی ہے۔ سنت پر عمل کے نتیجے میں ملنے والے یہ سارے انعام واعزاز ہی اس عمل کی اہمیت بتلانے کے لیے کافی تھے، مزید کسی انعام واعزاز کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن صرف اسی پر بس نہیں کیا جاتا؛ بل کہ ان سب کے باوجود ایک خصوصی انعام یہ دیا جاتا ہے کہ متّبعِ سنت شخص کو اللہ رب العزت خود اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی محبت اور ان کی محبوبیت کا مل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ ایک ایسا انعام واعزاز ہے کہ اس کے بعد اب کسی انعام واعزاز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں؛ بل کہ قرآنِ مجید کی بہت سی آیات اور نبیٔ اکرم ﷺ کی بہت سی احادیثِ مبارکہ سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ قرآنِ مجید میں خود اللہ رب العزت کا ارشادِ گرامی ہے ”قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ“ جس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ اے میرے محبوب! آپ اپنی امت سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تمھیں اپنے ہر عمل میں میرے

اسوہ اور میرے طریقے کی پیروی کرنی ہوگی، میری اتباع اور میری پیروی کے بغیر تمھارا یہ دعویٰ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگا؛ بل کہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے سمجھے جاؤ گے۔

دو انمول انعام

انسان کی فطرت میں حرص کا مادّہ رکھا گیا ہے کہ وہ کسی بھی کام کو کرنے کے بعد کچھ نفع اور فائدہ چاہتا ہے۔ اور چوں کہ یہ مادّہ اور جذبہ خود اللہ رب العزت نے اس کے اندر رکھا ہے، اس لیے انھوں نے اس کی رعایت بھی کی ہے۔ اللہ رب العزت جانتے ہیں کہ میرا بندہ حریص ہے، جب میں اسے کسی کام کا حکم کروں گا تو وہ لازماً مجھ سے پوچھے گا کہ پروردگار! میں آپ کے حکم کی بنا پر یہ کام کر تو لوں گا؛ لیکن آپ مجھے یہ بتائیں کہ مجھے اس کام کو کرنے کے بعد کیا ملے گا؟ لہٰذا اللہ رب العزت نے بندے کی اس حریصانہ طبیعت کے مدِّ نظر اسی آیت کے اگلے حصے میں اس کا جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم میرے محبوب کے طریقے کی پیروی کرو گے اور ان کی سنت کا اتباع کرو گے تو میں تمھیں دو طرح کے انعامات سے نوازوں گا۔ وہ دونوں انعام ایسے ہیں جنھیں صرف میں دے سکتا ہوں، میرے علاوہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ انھیں دنیا میں کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے۔

پہلا انعام

۱﴾ سنت کی اتباع پر پہلا عظیم الشان انعام تو یہ دوں گا کہ میں خود اس بندے سے محبت کرنے لگوں گا اور اسے اپنا محبوب بنا لوں گا۔ اس انعام کی بابت اس آیت میں تو فقط

اتنی بات ملتی ہے'' یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ '' کہ جو بندہ اپنے ہر عمل میں اللہ کے محبوب اور لاڈلے پیغمبر کی پیروی کرتا ہے اور اپنی ہر نقل وحرکت میں ان کی اتباع کرتا ہے تو پھر اس بندے سے اللہ پاک بھی محبت فرماتے ہیں اور اسے اپنا محبوب بنالیتے ہیں ۔لیکن اس انعام کی مزید وضاحت اور اس کی مزید تفصیل اللہ پاک نے اپنے پیارے رسول جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی زبانی ہمیں یہ بتلائی ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا ہوں اور اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو صرف اکیلے اس سے محبت نہیں کرتا؛ بل کہ اپنے سب سے مقرب فرشتے جبرئیل سے کہتا ہوں کہ جبرئیل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس جبرئیل بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور تمام فرشتوں میں یہ اعلان کردیتے ہیں کہ اللہ پاک اپنے فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں اور اسے اپنا محبوب بنالیا ہے لہٰذا اے فرشتو! تم سب کے سب اس سے محبت کرو، پس تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین پر بسنے والے انسانوں کے دلوں میں حتیٰ کہ زمین پر رہنے والی دیگر مخلوقات کے دلوں میں بھی اس بندے کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اس طرح روئے زمین پر بسنے والی دوسری مخلوقات بھی اس سے محبت کرنے لگتی ہیں۔

زندہ مثال

اب یہ کہ متّبعِ سنت شخص کو لوگوں کا پیار اور ان کی محبت کیسے ملتی ہے؛ اس کی جیتی جاگتی مثال وہ اہل اللہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی کو سنت کے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ ان خوش قسمت بندوں کو جو مقبولیت اور محبوبیت حاصل ہوتی ہے، اس کا کچھ اندازہ تو ہم سبھی کو ہوگا کہ مال ومتاع پاس میں نہیں ہوتا، اسبابِ راحت میسر نہیں ہوتے، اس کے

باوجود انھیں حقیقی راحت بھی نصیب ہوتی ہے اور لوگوں کا پیار بھی انھیں حاصل ہوتا ہے۔ لوگ ہیں کہ دیوانہ وار ان پر ٹوٹ رہے ہیں اور ان کی زیارت اور خدمت کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ ان خاصانِ خدا کی شان اور ان کا حال کسی سے مخفی نہیں ہے، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

محبت خریدی نہیں جاتی

چناں چہ ایک بزرگ ایک شہر میں تشریف لائے۔ پروگرام کچھ ایسا تھا کہ انھیں اس سفر میں کئی شہروں کا دورہ کرنا تھا۔ ان کے ساتھ ان کا خادم بھی تھا۔ حضرت جہاں جاتے وہاں حضرت کا شاندار استقبال ہوتا، محبت کرنے والوں کی اور عقیدت مندوں کی بھیڑ جمع ہوجاتی، لوگ اپنی اپنی گاڑیوں کے ساتھ یہ تمنا لیے کھڑے رہتے کہ حضرت ہماری گاڑی میں تشریف فرما ہوں اور ہمارے گھر قیام فرمائیں ۔ جب سفر مکمل ہوا اور حضرت واپس تشریف لے جانے لگے تو اپنے خادم سے دریافت فرمایا بتاؤ بھائی! اگر ہم مال لے کر آتے تو ہمیں اس مال کے ذریعے یہاں اچھے ہوٹل مل جاتے، اچھی سواریاں مل جاتیں، عمدہ اور لذیذ کھانے مل جاتے؛ لیکن لوگوں کی محبت اور ان کا پیار جو ہمیں اس سفر میں ملا، کیا وہ ہمیں مل سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔

پھر فرمایا کہ میاں! محبت کسی قیمت پر خریدی نہیں جاسکتی۔ محبت تو دل کا عمل ہے اور اسے اللہ پاک ہی لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں؛ لیکن ڈالتے اسی وقت ہیں جب بندہ ہردم ان کے محبوب کا خیال رکھتا ہے اور اپنے ہر عمل کو ان کے طریقے کے مطابق انجام دیتا ہے۔ جب بندہ ہر وقت کی سنتوں کا خیال رکھتا اور ان پر عمل کرتا ہے تو پھر اللہ رب العزت

اس اہتمام کا صلہ اور بدلہ اس طور پر عطا فرماتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اس بندے کی محبت ڈال دیتے ہیں۔

الغرض نبی کی اتباع اور ان کی پیروی کا پہلا انعام تو یہ ملتا ہے کہ وہ بندہ نہ صرف لوگوں کا محبوب اور پسندیدہ بن جاتا ہے؛ بل کہ زمین کی دیگر مخلوقات بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتی ہیں، فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، نبی کی محبت اور ان کا پیار بھی اسے نصیب ہوتا ہے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اللہ رب العزت اس بندے کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔

دوستو! اللہ رب العزت کی محبت کامل جانا اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نعمت کے آگے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ اور بے کار ہیں، اس نعمت کے آگے دنیا کی کسی نعمت کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ یہ نعمت و دولت کسی اور عمل پر نہیں؛ بل کہ صرف اور صرف اتباعِ سنت پر ملا کرتی ہے۔

دوسرا انعام

۲﴾ اتباعِ سنت پر دوسرا انعام مغفرت کی شکل میں ملتا ہے چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے ''وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ'' کہ اللہ رب العزت اس بندے کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ گناہوں کی بخشش بھی ایک ایسا انعام ہے جو صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی دے سکتے ہیں، ان کے علاوہ کوئی یہ انعام نہیں دے سکتا۔

بتاؤ دوستو! اتباعِ سنت کے نتیجے میں ملنے والے یہ دونوں انعام کیا کوئی معمولی انعام ہیں؟ اور کیا ہمیں ان دونوں انعاموں کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہم نہیں چاہتے کہ ہم اللہ رب العزت کے پیارے اور محبوب بن جائیں؟ کیا ہمیں یہ پسند نہیں کہ اللہ رب

العزت ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں اور ہماری بخشش فرما دیں؟ جب ہم ان دونوں انعاموں سے مستغنی نہیں ہیں؛ بل کہ ہمیں ان کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے تو پھر آخر ہم اپنے ہر عمل میں اتباعِ سنت کا اہتمام کیوں نہیں کر لیتے؟۔

اتباعِ سنت کی ایک امتیازی حیثیت

یاد رکھیں! بھلے اعمال بہت سے ایسے ہیں جن کی بجا آوری پر اللہ رب العزت نے بڑے بڑے اجر و ثواب کے دینے کا، نیز درجات کے بلند کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مثلاً یہ کرو گے تو اتنی نیکیاں دوں گا، یہ پڑھو گے تو اتنی نیکیاں دوں گا، یہ عمل کرو گے تو جنت میں تمھارے اتنے درجے بلند کروں گا؛ لیکن اتباعِ سنت ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے انجام دینے والے کو اللہ رب العزت صرف نیکیاں نہیں دیتے، صرف اس کے درجے بلند نہیں کرتے؛ بل کہ اس کا صلہ، اس کا بدلہ اور اس کی جزا کے طور پر یہ ساری چیزیں دینے کے ساتھ ساتھ ایک مزید انعام یہ دیتے ہیں کہ اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس حیثیت سے دیکھیں تو دوسری تمام طاعات و عبادات کے مقابلے اتباعِ سنت ایک خصوصی اور امتیازی شان رکھنے والا عمل ہے، اس عمل کی یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسے دوسری تمام طاعات و عبادات سے ممتاز کرتی ہے۔

دوستو! ذرا سوچیں تو سہی، تصور تو کریں کہ آخر یہ کتنی بڑی اور کیسی عظیم الشان نعمت اور دولت ہے کہ بندے کو اس دنیا میں اپنے پیارے رب کی محبت مل جائے، ان کا پیار مل جائے۔ یہ اس بندے پر اللہ رب العزت کا کتنا بڑا احسان، کتنا بڑا فضل اور کتنی بڑی مہربانی ہے۔

ہماری فکروں کا محور

لیکن ہمیں یہ نعمت کہاں چاہیے۔ہمیں تو بس ایک چیز چاہیے اور وہ ہے مال،فقط مال۔ہم تو بس اسی کے خواہش مند ہیں،رات و دن اس کے کمانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں اوراس کے بڑھانے کی فکر میں گھلے جاتے ہیں۔ہماری ساری فکروں اورکوششوں کا محور بس مال ہوتا ہے کہ یہ کیسے آئے،کہاں سے آئے،کس طرح حاصل ہو،کیسے بڑھے۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے پاس مال ہوگا تو ہمیں راحت ملے گی،لوگوں کے درمیان عزت ملے گی،زندگی میں چین اور سکون نصیب ہوگا۔حال آں کہ راحت وعزت،چین وسکون مال کی بنیاد پر نہیں ملا کرتا؛بل کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ تو کچھ اس کے خلاف ہی کہتا ہے۔

قابلِ رحم لوگ

دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کے پاس مال ومتاع کی کوئی کمی نہیں ہے، اتنا مال ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں ہے،وہ خود نہیں جانتے کہ ہمارے پاس کتنا مال ہے۔ ظاہری طور پر ایسی کون سی نعمت ہے جو انھیں حاصل نہیں ہے۔عالی شان بنگلہ ان کے پاس، عالی شان آفس ان کے پاس،لمبا چوڑا کاروبار ان کے پاس،بیش قیمت سواریاں ان کے پاس،نوکر چاکر ان کے پاس،بینک بیلینس (bank balance) ان کے پاس۔مال کی اس قدر فراوانی اور دنیوی نقشوں کی اتنی بہتات کے باوجود جب ان کی زندگیوں میں جھانک کر دیکھیں تو انھیں اس قدر دکھی اور غم زدہ پائیں گے کہ انھیں دیکھ کر ہمیں ان پر ترس آئے گا کہ ہائے یہ بے چارے کس قدر پریشان ہیں۔

اسبابِ راحت تو ہیں پر راحت نہیں

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ایک صاحب کے گھر میرا آنا جانا ہوتا تھا۔اس دوران کئی مرتبہ ان کے گھر کھانا کھانے کی نوبت بھی آئی۔آنے جانے کے سبب کچھ تعلقات بھی بن گئے تھے۔ان کے دولڑکے تھے۔اپنے علاقے کے بڑے مال دار آدمی تھے،کاروبار بہت وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔مال کی بہتات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ گھر کے ہر فرد کے پاس اپنی گاڑی اور اپنا ڈرائیور تھا۔شوہر کے پاس ڈرائیور سمیت الگ گاڑی،بیوی کے پاس ڈرائیور سمیت الگ گاڑی،دونوں بیٹوں کے پاس ڈرائیور سمیت الگ گاڑیاں،یہ ان کے گھر کا اور ان کی زندگی کا لائف اسٹائل تھا۔

ایک روز مجھے ان کی اہلیہ کا فون آیا۔کہنے لگیں شکیل بھائی!میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔میں نے پوچھا کوئی ضروری کام؟کہنے لگیں کہ ہاں ایک ضروری کام ہے۔میں نے کہا فون پر بتا دیجیے۔کہنے لگیں کہ نہیں،ملاقات پر بتانا ہے۔میں نے کہا ٹھیک ہے،جب آپ کے شوہر گھر پر موجود ہوں تو مجھے فون کر دیجیے گا،میں ان شاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔کہنے لگیں نہیں نہیں،مجھے ان کی موجودگی میں نہیں ملنا ہے،مجھے دراصل آپ سے کچھ پرسنل (personal) بات کرنی ہے۔میں نے کہا بہن!میں آپ کے شوہر کی موجودگی ہی میں آ سکتا ہوں،ان کی غیر موجودگی میں نہیں آ سکتا۔کہنے لگیں شکیل بھائی!آپ پردے کی بالکل فکر نہ کریں،میرے دونوں بچے بالغ اور سمجھ دار ہیں،وہ دونوں گھر پر موجود رہیں گے اور میں بھی پردے میں رہوں گی۔میں نے کہا تب تو ٹھیک ہے،ان شاء اللہ کسی وقت اطلاع کر کے حاضر ہو جاؤں گا۔

چناں چہ ایک روز میں انھیں اطلاع کر کے ان کے گھر پہنچا، ان کے دونوں لڑکے گھر پر موجود تھے۔ میں نے کہا بہن! خیریت تو ہے، آخر ایسی کون سی بات ہے جو آپ مجھے بھائی صاحب کی غیر موجودگی میں بتانا چاہتی ہیں؟ کہنے لگیں کیا بتاؤں شکیل بھائی! میں بہت پریشان ہوں، میرے بچے بھی بہت پریشان ہیں، اس قت ہم لوگ بہت ٹینشن (tension) میں ہیں۔ میں نے کہا آپ یہ تو بتائیں کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگیں کہ بات دراصل یہ ہے کہ اس وقت میرے اور میرے شوہر کے مابین کچھ ایسے اختلافات چل رہے ہیں جن کی وجہ سے ہمارا پورا گھر جہنم بنا ہوا ہے، چین وسکون تو گویا بالکل ختم ہو گیا ہے، روز روز کے جھگڑوں سے اب ہم تنگ آ چکے ہیں۔ لہٰذا اب میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر کبھی گھر آئے، میرے بچے بھی یہی چاہتے ہیں کہ ابا کبھی گھر نہ آئیں۔ شکیل بھائی! کیا بتاؤں، اب میں اپنی زندگی سے اتنی تنگ آ چکی ہوں کہ اپنے آپ ہی کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ کبھی سوچتی ہوں کہ پنکھے سے لٹک کر جان دے دوں، کبھی سوچتی ہوں کہ اپنی بلڈنگ کی چھت پر چلی جاؤں اور وہاں سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لوں۔

سنا آپ نے! یہ اس گھر کی بات بتا رہا ہوں جہاں مال کی کوئی کمی نہیں ہے، گھر میں عیش وعشرت کے سارے نقشے موجود ہیں، مکان، آفس، بزنس، گاڑیاں، بینک بیلینس، نوکر چاکر، آخر وہ کون سی نعمت ہے جو اس گھر والوں کو میسر نہیں ہے۔ اور سنئے! یہ وہ لوگ ہیں جو چھٹیاں گذارنے ہندوستان کے تفریحی مقامات، پنچ گنی، مہابلیشور، اوٹی، شملہ، کشمیر وغیرہ نہیں جاتے تھے؛ بل کہ ان جگہوں پر جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ چھٹیاں گذارنے کے لیے یہ لوگ بیرونی ممالک، دبئی، لندن، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، سوئٹزرلینڈ وغیرہ

کا انتخاب کیا کرتے تھے اور سوچتے یہ تھے کہ ان مقامات پر چھٹیاں گذارنے سے ہمیں جسمانی نشاط اور ذہنی سکون حاصل ہوگا۔ لیکن دیکھئے کہ سکون کی تلاش میں سرگرداں یہ حضرات چین وسکون کے سارے اسباب ووسائل کے ہوتے ہوئے بھی کس قدر پریشان اور اپنی زندگی سے کس قدر تنگ آ چکے ہیں کہ اپنی زندگی ہی کا خاتمہ چاہتے ہیں۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ایک بڑی غلط فہمی

دوستو! ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس مال ہوگا تو ہم بڑی راحتوں بھری زندگی گذاریں گے، ہمیں عزتیں نصیب ہوں گی، سوسائٹی اور برادری میں ہمارا ایک مقام ہوگا، ہماری زندگی میں اطمینان ہوگا، چین وسکون ہوگا، گھر والوں کے مابین الفت اور محبت قائم رہے گی، دل آپس میں جڑے رہیں گے، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

ہماری یہ سوچ دراصل ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ مال ودولت سامانِ راحت ضرور ہیں، اسبابِ سکون ضرور ہیں؛ لیکن ان کے حاصل کر لینے کے بعد آدمی کو حقیقی راحت اور حقیقی سکون نصیب ہو جائے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ بل کہ اگر یہ اسباب بے دینی کے ساتھ اکٹھا کیے گئے ہوں گے، شریعت کے قوانین سے انحراف کر کے اور سنتوں سے اعراض کرتے ہوئے انھیں حاصل کیا گیا ہوگا تب تو یہ سامان اور اسباب، راحت تو کیا پہنچاتے الٹے زحمت اور پریشانی کا سبب بنیں گے، اطمینان وسکون کی بربادی کا سبب بنیں گے، ذلتوں کا طوق گلے میں پہنائیں گے۔ آدمی تمام تر ظاہری نعمتوں کے ہوتے گھر

بیٹھے بٹھائے ذلیل وخوار ہو جائے گا، کسی کو منہ دکھانے کے لائق تک نہیں رہے گا۔

چین اور سکون کا راز

پتہ چلا کہ راحت، عزت، چین، سکون وغیرہ یہ ساری نعمتیں ایسی ہیں جو مال ودولت کی بنیاد پر نہیں ملا کرتیں۔ان تمام نعمتوں کو اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری اور آپ کی سنتوں کی اتباع کے پیچھے چھپا رکھا ہے۔جو شخص جس قدر آپ کا مطیع وفرماں بردار اور آپ کی سنتوں کا اتباع کرنے والا ہوگا اسی قدر اس کے دل میں اطمینان ہوگا، زندگی میں چین وسکون ہوگا، بہ ظاہر اسبابِ راحت اس کے پاس نہ ہوں گے؛ لیکن حقیقی راحت اسے ضرور حاصل ہوگی۔

الغرض کہنے کا منشا یہ ہے کہ سنت کی اتباع سے صرف اخروی منافع حاصل نہیں ہوتے؛ بل کہ اس کے ذریعے بہت سے دنیوی منافع بھی نصیب ہوتے ہیں۔

انتہائی آسان کام

اب وہ عمل جو بہت سے دنیوی اور اخروی ثمرات ومنافع کے حصول کا ذریعہ ہو، وہ کس قدر مہتم بالشان اور عظیم الشان عمل ہوگا؟ لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ عمل جس قدر عظیم الشان ہے اسی قدر ہم لوگ اس کی طرف سے غفلت کا شکار ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو سنتوں کا اہتمام کرنے والے ہیں۔حال آں کہ سنتوں کا اہتمام کوئی مشکل کام نہیں ہے، بل کہ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ سنتوں کا اہتمام صرف آسان ہی نہیں؛ بل کہ انتہائی آسان کام ہے۔

میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اتباعِ سنت سے زیادہ آسان کام شاید دنیا میں کوئی اور

ہے ہی نہیں۔اس لیے کہ اتباعِ سنت کو وجود میں لانے کے لیے کوئی علاحدہ عمل کرنا ہی نہیں ہوتا؛ بل کہ روزمرّہ کے وہ تمام کام جو ہم صبح سے لے کر شام تک انجام دیا کرتے ہیں، ان میں نبی کا طریقہ معلوم کر کے بس انھیں نبی کے طریقے کے مطابق انجام دینا ہوتا ہے۔

ایک پیاری بات

اسی بات کو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ بڑے پیارے انداز سے فرمایا کرتے تھے۔فرماتے تھے کہ ”میں یہ نہیں کہتا کہ آپ حضرات ساری سنتوں پر عمل کریں؛ بل کہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جو کریں سنت کے مطابق کریں“۔

دیکھیے! حضرت نے کیسی پیاری بات ارشاد فرمائی کہ جملہ تو ایک کہا لیکن اس ایک جملے میں پوری تقریر کر دی اور واضح کر دیا کہ ہمیں ساری سنتوں پر عمل نہیں کرنا ہے؛ بل کہ جو کچھ کر رہے ہیں بس اسے سنت کے مطابق انجام دینا ہے۔

مفت کا اجر

دیکھیے! ہم لوگ بیت الخلا جانے کے لیے چپل پہنتے ہیں، اگر پہلے دائیں پیر میں پہنیں تب بھی پہن لیں گے اور اگر پہلے بائیں پیر میں پہنیں تب بھی پہن لیں گے۔اسی طرح بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت اگر دایاں قدم پہلے داخل کریں تب بھی اندر داخل ہو جائیں گے اور اگر پہلے بایاں قدم داخل کریں تب بھی اندر داخل ہو جائیں گے۔اسی طرح کپڑا پہنتے وقت اگر ہم پہلے دائیں آستین میں ہاتھ ڈالیں تب بھی کپڑا پہن لیں گے اور اگر پہلے بائیں آستین میں ہاتھ ڈالیں تب بھی کپڑا پہن لیں گے۔اسی طرح گھر سے نکلتے وقت اگر دایاں قدم پہلے باہر نکالیں تب بھی باہر نکل جائیں گے اور اگر بائیں قدم سے

باہر نکلیں تب بھی باہر نکل جائیں گے۔ اسی طرح گھر میں داخل ہوتے وقت اگر دایاں قدم پہلے اندر رکھیں تب بھی گھر میں داخل ہوجائیں گے اور اگر پہلے بایاں قدم اندر رکھیں تب بھی اندر داخل ہوجائیں گے۔

لیکن اگر ہم ان اعمال میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا طریقہ معلوم کرلیں کہ:

جب ہمارے نبی جوتا یا چپل پہنتے تو پہلے کس پیر میں پہنا کرتے تھے؟

بیت الخلا میں داخل ہوتے تو پہلے کون سا قدم اندر رکھا کرتے تھے؟

جب بیت الخلا سے باہر نکلتے تو پہلے کون سا قدم باہر نکالا کرتے تھے؟

کپڑا پہنتے تو پہلے کس آستین میں ہاتھ ڈالا کرتے تھے؟

جب کپڑا نکالتے تو پہلے کس آستین سے ہاتھ نکالا کرتے تھے؟

جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کون سا قدم اندر رکھا کرتے تھے؟

جب گھر سے باہر نکلتے تو پہلے کون سا قدم باہر نکالا کرتے تھے؟

اور معلوم کرنے کے بعد اس طریقے کے مطابق عمل کرلیں تو عمل تو وجود میں آہی جاوے گا، ساتھ ہی حضور اکرم ﷺ کے طریقے کی اتباع کے سبب وہ عمل ہمارے لیے اجروثواب کا باعث بھی بنے گا۔

دیکھیے! کیا اس اجروثواب کو پانے کے لیے ہمیں الگ سے کوئی کام کرنا پڑا؟ نہیں؛ بل کہ وہی کام جو ہم کررہے تھے اور روزانہ کیا کرتے تھے، بس اسے نبی کے طریقے کے مطابق کرلیا تو ہماری ضرورت بھی پوری ہوگئی، ساتھ ہی مفت کا اجر بھی مل گیا۔

اسی بات کو عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب نوراللہ مرقدہٗ یوں

ارشاد فرماتے تھے کہ ”تم ایک کام کو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق انجام دو اور اسی کام کو تم اتباعِ سنت کی نیت سے حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دو تو دونوں کاموں میں زمین اور آسمان کا فرق ہوگا اور اس فرق کو تم خود محسوس بھی کروگے۔ اس لیے کہ جو کام تم اپنی مرضی سے کروگے تو وہ کام ہو تو جاوے گا؛ لیکن وہ تمھارا اپنا کام ہوگا جس میں تمھیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ اور اگر اسی کام کو تم سنت کی اتباع کی نیت سے حضور اکرم ﷺ کے طریقے کے مطابق انجام دو تو کام تو اس وقت بھی ہوگا؛ لیکن اس وقت تمھیں سنت کی ادائیگی کا ثواب ملے گا، ساتھ ہی اس عمل کی برکت اور اس کا نور بھی اس میں شامل ہوجائے گا“۔

ہمارا حال

دوستو! دنیا کے بہت سے کام جو بہ ظاہر بہت مشکل ہوتے ہیں اور جنھیں انجام دینے میں بہت سی دقتیں اور رکاوٹیں بھی پیش آتی ہیں، اس کے باوجود ہم ان کاموں کو بڑی فکر اور اہتمام کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ لیکن سنت پر عمل ایک ایسا کام ہے جو بہ ظاہر مشکل بھی نہیں؛ بل کہ انتہائی آسان ہے اور اس کو انجام دینے میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ بھی پیش نہیں آتی، اس کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سنتوں کے اہتمام سے غافل رہتے ہیں۔

ایک مثال

سنت پر عمل کرنا کتنا آسان ہے اور اس پر عمل کرنے میں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ بھی پیش نہیں آتی، اس بات کو میں ایک مثال سے واضح کروں تاکہ بات پوری طرح سمجھ میں آئے۔

دیکھیے! نیند سے بیدار ہوکر آنکھوں کوملنا، تین بار اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہنا، ایک بار کلمۂ طیبہ پڑھنا، سوکر اٹھنے کے بعد کی دعا پڑھنا، یہ سب وہ اعمال ہیں جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہمارے نبی انجام دیا کرتے تھے، یعنی نیند سے بیدار ہوکر ان اعمال کا بجالانا مسنون ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ ان اعمال میں کون سا عمل ایسا ہے جو مشکل ہے اور جس کی ادائیگی میں ہمیں کسی طرح کی کوئی رکاوٹ اور پریشانی لاحق ہوتی ہے؟ اگر ہم نیند سے بیدار ہونے کے بعد سنت کی نیت سے آنکھوں کوملنا چاہیں، تین مرتبہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہنا چاہیں، کلمۂ طیبہ پڑھنا چاہیں، سوکر اٹھنے کے بعد کی دعا پڑھنا چاہیں تو ہمیں ان اعمال کے بجالانے میں کوئی دقت اور پریشانی پیش آتی ہے؟ نہیں۔ اور کیا ہمیں اس وقت ان اعمال کے بجالانے سے کوئی روکتا ہے؟ کوئی نہیں روکتا۔ اچھا اگر کوئی روکنا چاہے تو کیا وہ روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا۔ کوئی تنظیم یا کوئی باطل جماعت روکنا چاہے، ہمارے گھر والے ہمیں روکنا چاہیں، ہمارے پڑوسی ہمیں روکنا چاہیں، ہماری برادری اور ہمارا خاندان ہمیں روکنا چاہے یا کوئی ظاہری دشمن ایسا ہو جو ہمیں اس سے روکنا چاہے تو کیا وہ ہمیں اس سے روک سکتا ہے؟ ہرگز نہیں روک سکتا۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ جس عمل کی بجا آوری میں کوئی دقت نہیں، کوئی پریشانی نہیں، کوئی رکاوٹ نہیں، اس کو انجام دینے میں ہمارا کوئی وقت بھی خرچ نہیں ہوتا، اس کے باوجود ہم وہ عمل انجام نہیں دے پاتے تو کیا یہ سوچنے کی بات نہیں ہے؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ صرف یہ ہے کہ اتباعِ سنت کی جتنی اہمیت ہمارے دلوں میں ہونی چاہیے تھی اتنی اہمیت نہیں رہی اور جب کسی کام کی اہمیت آدمی کے دل میں نہیں ہوتی تو پھر اس کام کی طرف عموماً اس کی طبیعت کم ہی چلتی ہے۔

عمل ایک، انعامات بہت

آپ حضرات مجھے بتائیں کہ کیا ساری دنیا کے لوگ مل کر کسی کو ایک نیکی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر ساری دنیا دے کر اور صرف دنیا ہی نہیں ؛ بل کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین دے کر صرف ایک نیکی خریدنا ہو تو کیا ایک نیکی خریدی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

بتایئے! جو نیکی اتنی قیمتی ہو کہ ساری دنیا کے لوگ مل کر دینا چاہیں تو نہ دے سکیں اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین دے کر بھی اسے خریدا نہ جاسکتا ہو تو پھر سوچیں کہ آخر سنت کس قدر عظیم الشان اور اللہ رب العزت کے نزدیک کس قدر پسندیدہ عمل ہوگا کہ اس پر عمل کے سبب صرف ایک نیکی نہیں ملتی ؛ بل کہ بہت سی نیکیاں ملتی ہیں۔ اور صرف نیکیاں نہیں ملتیں ؛ بل کہ نیکیوں کے ساتھ ساتھ خالق اور مخلوق کی محبت و محبوبیت، تعلق مع اللہ کی نعمت، قربت الی اللہ کی دولت، حفاظت، انوار و برکات وغیرہ بہت سی نعمتیں ہیں جو اللہ رب العزت سنت پر عمل کے سبب بندے کو عطا فرماتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم نے سنت کی اہمیت کو سمجھا نہیں، اگر ہم اس کی اہمیت سے واقف ہوتے تو دانستہ طور پر کسی بھی سنت پر عمل کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

دوستو! ذرا غور کریں کہ اللہ رب العزت کو اپنے محبوب سے کتنا پیار ہے کہ ہم جا رہے ہیں استنجاخانہ، اور وہ بھی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ؛ لیکن چوں کہ جانے میں اور باہر نکلنے میں ہم نے ان کے محبوب کا خیال رکھا اور ان کی اتباع کی تو وہ ہمیں اس عمل کا بھی صلہ دیتے ہیں اور اس طرح دیتے ہیں کہ وہ سارا وقت جو استنجاخانے میں صَرف

ہوتا ہے، ضائع نہیں جاتا؛ بل کہ وہ بھی ہمارے حق میں اجر وثواب کا باعث بنتا ہے۔

حفاظت کا غیبی انتظام

اسی طرح ہم روزانہ سوتے ہیں۔ یہ نیند ہماری جسمانی صحت کی خاطر کس قدر ضروری ہے اس سے ہم سبھی واقف ہیں۔ اگر نیند نہ ملے تو پھر ہمیں کس قدر بے چینی ہوتی ہے اور اس کے مضر اثرات کن کن صورتوں میں ہمارے جسم پر پڑتے ہیں، اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم نے سونے سے پہلے وہ اعمال کر لیے جو اس وقت مسنون ہیں اور جنھیں ہمارے آقا سونے سے پہلے انجام دیا کرتے تھے تو اس کے باوجود کہ ہم سو رہے ہیں، اپنی ضرورت پوری کر رہے ہیں، غفلت کے عالم میں ہیں؛ لیکن اللہ رب العزت ان مسنون اعمال کے سبب ہماری حفاظت کا غیبی انتظام اس طرح کرتے ہیں کہ ایک فرشتے کو ہماری حفاظت کی ڈیوٹی پر مقرر کرتے ہیں جو رات بھر ہماری حفاظت کرتا ہے اور صرف حفاظت کا انتظام نہیں ہوتا؛ بل کہ ان مسنون اعمال پر عمل کرنے کے سبب وہ سونا ہمارے حق میں عبادت شمار کیا جاتا ہے۔

دوستو! یہ ہیں مسنون اعمال کی اہمیت اور ان کی برکات جسے ہم لوگ ''سنت ہی تو ہے'' کہہ کر نظر انداز کر دیا کرتے ہیں؛ لیکن یہ اعمال اللہ رب العزت کی بارگاہ میں بہت بڑی قیمت دلاتے ہیں۔ ہم سو رہے ہوتے ہیں، اپنی ضرورت پوری کر رہے ہوتے ہیں، غفلت کے عالم میں ہوتے ہیں، ہمیں اپنے آس پاس کی کچھ خبر نہیں ہوتی، ایسی غفلت کے عالم میں ہونے کے باوجود ہمارا پروردگار اس وقت ہمارے ساتھ عطاؤں کا کیا معاملہ کر رہا ہوتا ہے، ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔

سنتیں سیکھنے کی ترتیب

دوستو! ہمیں سنت پر عمل کرنے کی خاطر بہت کچھ کرنا نہیں ہے۔ بس صرف یہ کرنا ہے کہ اپنے وہ تمام اعمال جو ہم صبح سے لے کر شام تک انجام دیا کرتے ہیں، ان کاموں کی فہرست بنانے کے بعد یہ دیکھیں کہ ان میں کتنے اعمال کی سنتیں ہم جانتے ہیں اور کتنے اعمال کی سنتیں ہم نہیں جانتے۔ جن اعمال کی سنتیں ہم جانتے ہیں انھیں تو مسنون طریقے کے مطابق ہی انجام دیں اور جن اعمال کی سنتیں ہمیں معلوم نہ ہوں انھیں اسی وقت کاغذ پر لکھ لیں اور ان کا مسنون طریقہ کتابوں میں تلاش کریں یا پھر علمائے کرام سے معلوم کر لیں۔ اور جب علم ہو جائے تو اسی طریقے کے مطابق عمل شروع کر دیں۔

ایک دھوکہ

اس کام کے لیے کاغذ قلم ہمیشہ پاس میں رکھیں اور جب کبھی کوئی ایسا عمل سامنے آئے، جس کا مسنون طریقہ ہمیں معلوم نہ ہو یا اس عمل سے متعلق دعا کا علم نہ ہو تو اسے بلا کسی تاخیر کے فوراً لکھ لیں اور پھر جلد سے جلد اس کی تحقیق کریں۔ نفس اور شیطان اس وقت یہ سمجھائیں گے کہ کہ ہاں ہاں ٹھیک ہے، اسے یاد رکھو، اس عمل کی سنت معلوم کرنا ہے، بس گھر پہنچتے ہی اسے کتاب میں دیکھ لینا یا مولانا صاحب کے پاس جا کر معلوم کر لینا۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ خیال نفس اور شیطان کی طرف سے ڈالا جاتا ہے جسے مان لینا اور لکھنے کو مؤخر کر دینا درحقیقت ان کے دھوکے میں مبتلا ہو جانا ہے۔ اگر اس عمل کو اسی وقت نہ لکھا گیا اور بعد پر ٹال دیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ وہ بات ذہن سے محو ہو جائے اور پھر کبھی اس کی تحقیق کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس لیے آپ تحقیق خواہ بعد میں کریں

لیکن لکھ اسی وقت لیں۔ جب لکھ لیا جائے گا تو ان شاءاللہ پوچھنے کی نوبت بھی آ جائے گی۔ اپنے دیگر ضروری کاموں کی طرح اسے بھی اپنا ایک ضروری کام سمجھیں۔ جب فکر ہو جائے گی اور اس ترتیب سے پوچھنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا تو کچھ ہی عرصے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ روز مرّہ کے سارے اعمال سنت کے مطابق ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ پاک ہم سب کو اس ترتیب پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

میرا معمول

دیکھئے! یہ کاغذ میری جیب میں رکھا ہوا ہے۔ (آپ نے ایک کاغذ اپنی جیب سے نکال کر حاضرین کو دکھلایا) میں بھی اسی طرح لکھتا جاتا اور پوچھتا جاتا ہوں۔ یہ میرا آج کا نہیں؛ بل کہ برسوں پرانا معمول ہے۔ میں اس کام کے لیے ایک الگ کاغذ ہمیشہ اپنی جیب میں رکھا کرتا ہوں جس پر میں اپنے پوچھنے کی باتیں درج کرتا جاتا ہوں جن میں مسائل بھی ہوتے ہیں اور سنتیں بھی ہوتی ہیں۔ ان باتوں کا عنوان ہی ہے ”پوچھنے کی باتیں“۔

جہاں کوئی ایسا کام سامنے آیا جس کا شرعی مسئلہ معلوم نہ ہو تو فوراً اسے کاغذ پر لکھ لیتا ہوں کہ یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے۔ اسی طرح جس کسی عمل کی سنت معلوم نہیں ہوتی تو اسے بھی لکھ لیتا ہوں کہ اس عمل کی سنت معلوم کرنی ہے۔ اگر میں بہت احتیاط سے بھی بتلاؤں تو مسائل پوچھتے اور سنتیں معلوم کرتے ہوئے شاید مجھے چھتیس (۳۶) سال کا عرصہ گذر گیا ہوگا، اس وقت سے لے کر آج تک لکھنے کا اور پوچھنے کا سلسلہ مستقل جاری ہے۔ لکھتا جاتا ہوں پوچھتا جاتا ہوں، لکھتا جاتا ہوں پوچھتا جاتا ہوں۔ اتنے طویل عرصے تک پوچھنے کے باوجود یہ حال ہے کہ دیکھئے اس کاغذ پر اب بھی بہت سی باتیں جو مسائل اور سنن سے متعلق

ہیں، لکھی ہوئی ہیں جنھیں ابھی معلوم کرنا ہے۔ اتنے طویل زمانے تک پوچھنے کے باوجود یہ احساس ہوتا ہے کہ اب بھی بہت کچھ پوچھنا باقی ہے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک مسلمان مسائل جانے بغیر اور سنتیں سیکھے بغیر زندگی کیسے گذارتا ہے۔

مسائل معلوم کرنے اور سنتیں سیکھنے کی یہ ایک بہت ہی آسان ترتیب ہے جو میں نے بہ توفیقِ الٰہی آپ حضرات کے سامنے بیان کی ہے۔ مسائل کی روشنی میں اور سنت کے سانچے میں ڈھل کر زندگی گذارنے کے لیے ہمیں بس اتنا کرنا ہے اور کچھ نہیں کرنا۔ اب بتلائیے! کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے؟ کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے؟ بھلا جو عمل اتنا آسان ہو کہ اس کے کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آتی ہو اور نہ ہی اس کے کرنے میں ہمارا کوئی وقت خرچ ہوتا ہو تو پھر آخر اس عمل کے بجالانے میں ہمیں کیا دقت اور پریشانی ہے؟

اللہ پاک یاد دلاتے ہیں

دوستو! جب ہم سے اتنا آسان کام بھی نہ ہو سکے گا تو پھر ہم خود سوچیں کہ دوسرے دینی احکام و اوامر جن کی بجا آوری میں ایک گونہ مشقت بھی ہے، ہم ان کاموں کو کیسے انجام دے پائیں گے؟ سنتوں کا اہتمام کوئی مشکل کام نہیں ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، بس ذرا سی فکر اور توجہ کی ضرورت ہے۔ اور جسے یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے اور وہ سنتوں کے اہتمام پر دوام حاصل کر لیتا ہے تو پھر اللہ رب العزت خود اس کی رہبری فرماتے ہیں، اسے خود یاد دلاتے ہیں کہ دیکھ میرے بندے! اس وقت کی یہ سنت ہے عمل کر لے، اس وقت میرے نبی کا یہ طریقہ ہے عمل کر لے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آدمی کو سنتوں پر عمل کی فکر لاحق ہو اور پھر اللہ پاک اسے غافل رہنے دیں۔

دیکھیے! حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ جو بہت مشہور ومعروف ہے اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہورہے تھے۔ داخل ہوتے بھولے سے دائیں قدم کے بجائے بایاں قدم پہلے اندر رکھنے لگے تو فوراً غیب سے آواز آئی۔ اللہ پاک نے پیار سے ''ثور'' کہتے ہوئے متنبہ کیا کہ او بیل! کیا کررہا ہے؟ دیکھتا نہیں کہاں داخل ہورہا ہے؟ یہ میں اپنی زبان میں کہہ رہا ہوں۔ فوراً متنبہ ہوئے، بایاں قدم پیچھے کیا اور دائیں قدم سے مسجد میں داخل ہوئے۔

دیکھا آپ نے! کیسے رہبری کی گئی۔ جب بندہ ہروقت کی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو پھر اسی طرح اس کی رہبری کی جاتی ہے، پھر اللہ پاک اسے غافل رہنے نہیں دیتے۔ خود یاد دلاتے ہیں کہ میرے بندے! جب تو ہروقت میرے نبی کو یاد رکھتا ہے، کبھی نہیں بھولتا تو پھر بھلا میں تجھے آج کیسے بھول جانے دوں؟ میں تجھے بھولنے نہیں دوں گا، خود یاد دلاؤں گا۔

ایک عجیب نکتہ

یہ واقعہ میں نے بارہا کتابوں میں پڑھا، بیانات میں سنا اور خود اپنے بیانوں میں کئی مرتبہ نقل بھی کیا؛ لیکن اس واقعے سے متعلق ایک بڑا عجیب نکتہ ابھی اللہ پاک نے دل میں ڈالا۔ وہ یہ کہ دیکھیے! حضرت کا نام تو سفیان تھا؛ لیکن اس بھول پر متنبہ کرتے ہوئے انھیں ثور کہا گیا اور پھر یہی ثور کا لفظ ان کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لیے وابستہ ہوگیا۔ اب جو بھی آپ کا نام لیتا ہے، کہیں لکھتا ہے، کہیں نقل کرتا ہے وہ سفیان ثوری ہی کہتا ہے اور آپ اسی نام کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس وقت جو

خلافِ سنت عمل کا صدور ہوا تھا وہ سہواً ہوا تھا، آپ نے قصداً ایسا نہیں کیا تھا۔ اور چوں کہ وہ اللہ رب العزت کے محبوب اور چہیتے تھے، اس لیے انھیں ان کی اس بھول پر فوراً متنبہ بھی کردیا گیا؛ لیکن آخر کیا وجہ تھی کہ ان کی اس بھول کو دنیا والوں کے سامنے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا گیا۔ حال آں کہ اللہ رب العزت تو بڑے بڑے جرموں اور بڑے بڑے قصوروں کو چھپانے والے اور معاف فرمانے والے ہیں، پھر آخر اس عمل پر جو کہ سہواً ہوا تھا ایسی تنبیہ کی گئی کہ رہتی دنیا تک لوگ یاد رکھیں۔ آخر کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تنبیہ کو مشہور کرکے اور اسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھ کر اللہ رب العزت ہمیں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو! سنت کے ترک کو میں نے شرعاً معصیت قرار نہیں دیا ہے؛ لیکن چوں کہ سفیان میرے محبوب ہیں اور سنتوں کے اہتمام کے ذریعے میرے سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے کو ہردم یاد رکھتے ہیں، اس لیے میں یہ ہرگز گوارا نہیں کرسکتا کہ میرے محبوب کی سنتوں کا اہتمام کرنے والا کسی موقع پر ترکِ سنت کا مرتکب ہو اور میرے سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے کو بھول جائے۔ اگر اس نے ایسا کیا خواہ بھولے سے کیا ہو؛ لیکن اس کا یہ عمل میرے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ میں فقط اس پر تنبیہ نہیں کروں گا؛ بل کہ اس تنبیہ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کردوں گا، تاکہ نام لیتے وقت ہر آدمی انھیں یاد دلائے کہ سفیان! یاد رکھو، تم ایک مرتبہ حضور ﷺ کو بھولے تھے اور وہ خود بھی لوگوں کی زبانی جب اپنا نام سنیں تو انھیں بھی یہ خیال رہے کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کو بھولا تھا۔

تاہم یہ ایک ایسی تنبیہ ہے جس کا اعلان تو ساری دنیا میں ہوگا؛ لیکن اس کے باوجود

ان کا نام لے کر لوگوں کو مزہ آئے گا اور ان کا تذکرہ کر کے ان سے محبت بڑھے گی۔اس لیے کہ میں نے یہ تنبیہ ناراض ہو کر نہیں کی ہے؛ بل کہ پیار سے کی ہے اور پیار کا اظہار اپنوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔لہٰذا غور کریں کہ حضرت سفیان ثوریؒ اللہ رب العزت کے کتنے اپنے رہے ہوں گے کہ انھیں کی جانے والی تنبیہ کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ''ثوری'' کہنے کے باوجود کسی کو نفرت نہیں ہوتی، کسی کو ان پر غصہ نہیں آتا؛ بل کہ ان کی محبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔یعنی یہ ایک ایسی تنبیہ ہے کہ بھول بھی بتلائی جا رہی ہے، اس پر تنبیہ بھی کی جا رہی ہے، اس تنبیہ کا اعلان بھی ہو رہا ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ ہم ایسی چھوٹی چھوٹی بھول پر ہر ایک کی گرفت تو نہیں کرتے؛ لیکن سفیان نے اتباعِ سنت کا اس درجہ اہتمام کیا ہے اور اس اہتمام کے سبب ہمارا اتنا قرب حاصل کر لیا ہے اور ہمارے ایسے محبوب بن چکے ہیں کہ اب ہمیں ان کا نقصان گوارا نہیں ہے۔لہٰذا میں اس بھول پر نہ صرف انھیں متنبہ کروں؛ بل کہ اس تنبیہ کو دنیا بھر میں مشہور بھی کروں گا۔تاہم اس تنبیہ کو مشہور کر دینے کے باوجود یہ انتظام کروں گا کہ جب کبھی کوئی ان کا نام لے گا تو انھیں حقیر سمجھے گا نہ ذلیل سمجھے گا؛ بل کہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان کا نام لے گا۔یعنی تنبیہ کو مشہور کرنے کی اور باقی رکھنے کی ظاہری صورت تو سزا کی ہوگی؛ لیکن در حقیقت یہ سزا بہ طور انعام کے ہوگی۔

دیکھیے! یہ کیسا عجیب نکتہ ہے جو اللہ پاک نے ابھی ابھی ذہن میں ڈالا۔حال آں کہ یہ واقعہ برسوں سے میرے علم میں ہے؛ لیکن اس واقعے سے متعلق یہ نکتہ کبھی بھی ذہن میں نہیں آیا، آج اسے اللہ پاک نے ذہن میں ڈالا۔اور میاں وہی ڈالتے ہیں، اس

میں بیان کرنے والے کا کوئی کمال نہیں ہوتا۔

یادرکھنے والے یادرکھے جاتے ہیں

ایسا نہیں ہے کہ اہتمام کرنے والوں کے ساتھ اللہ رب العزت کی رہبری اور یاددہانی کا معاملہ صرف گذشتہ زمانے کے ساتھ یا یہ کہ پچھلے زمانے کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ مخصوص تھا، اب یہ سلسلہ بند ہو چکا۔نہیں نہیں، ایسا نہیں ہے؛ بل کہ سنتوں کا اہتمام کرنے والے بندوں کی رہبری آج بھی کی جاتی ہے۔اگر کبھی کسی وجہ سے وہ غافل ہو جاتے ہیں تو اللہ پاک انھیں غافل رہنے نہیں دیتے؛ بل کہ اس وقت کی سنت خود انھیں یاددلاتے ہیں۔

چناں چہ ایک صاحب جنھیں اللہ رب العزت نے اتباعِ سنت کی توفیق سے نوازا ہے اور وہ بحمد اللہ نہایت اہتمام کے ساتھ سنتوں پر عمل کرتے ہیں۔انھوں نے خود مجھے بتلایا کہ الحمد للہ، میں اپنی دانست میں کبھی کسی سنت کو ترک نہیں کرتا، جس وقت کی جو سنت میرے علم میں ہوتی ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں؛ لیکن ایک مرتبہ بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ میں رات میں سونے کے لیے اپنے بستر پر پہنچا۔اپنے علم کے مطابق سونے سے پہلے کے سارے مسنون اعمال میں نے انجام دے لیے۔اب جب لیٹا اور سونا چاہا تو نیند غائب، نیند کا کہیں نام و نشان ہی نہیں۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ آخر ماجرا کیا ہے، نیند کیوں نہیں آ رہی ہے؟ جب کہ مجھے نیند بہت جلدی آتی ہے۔اتنی جلدی کہ سر تکیے پر رکھتے ہی گہری نیند سو جاتا ہوں؛ لیکن اس رات میں لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا، اس کے باوجود نیند کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔کہنے لگے، جب

کافی دیر ہوگئی اور مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے اللہ پاک ہی سے پوچھا کہ یا اللہ! مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے نیند کیوں نہیں آرہی ہے؛لیکن پروردگار! آپ تو سب جانتے ہیں، آپ کو ہر چیز کا علم ہے، آپ ہی بتادیجیے کہ مجھے نیند کیوں نہیں آرہی ہے۔

کیا کبھی ہم اللہ سے بات کرتے ہیں؟

دیکھئے! اللہ پاک سے پوچھ رہے ہیں، اپنی پریشانی کی وجہ معلوم کررہے ہیں۔ کیا کبھی ہم بھی اللہ پاک سے کوئی بات پوچھتے ہیں؟ کسی الجھن اور پریشانی کے وقت کبھی ہم بھی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں؟ نہیں میاں! ہم کہاں پوچھتے ہیں، ہمیں اس کی فرصت ہی کہاں ہے کہ ہم اللہ پاک کی طرف متوجہ ہوں، ان سے بات کریں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم تو زمین پر ہیں اور اللہ پاک عرش پر ہیں۔ وہ کہاں ہم کہاں، بھلا ان سے بھی کہیں بات ہوسکتی ہے، ان سے بھی کچھ پوچھا جاسکتا ہے؟

دوستو! آج کل موبائیل کے وجود نے سمجھ میں نہ آنے والی بہت سی چیزوں کو سمجھادیا ہے۔ وہ باتیں جو کل تک ہماری سمجھ سے بالاتر تھیں آج موبائیل کے ذریعے بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آرہی ہیں۔ اس کے ذریعے بمبئی میں بیٹھا شخص بنگلور میں بیٹھے آدمی سے بات کرلیتا ہے، بنگلور میں بیٹھا شخص دہلی میں بیٹھے آدمی سے بات کرلیتا ہے، دہلی میں بیٹھا شخص حیدرآباد میں بیٹھے آدمی سے بات کرلیتا ہے۔ غرض یہ کہ اس موبائیل کے ذریعے آدمی اپنے گھر میں رہتے ہوئے ہزاروں میل دور بیٹھے اپنے شناسا سے بہ آسانی بات کرلیتا ہے۔ آخر دونوں کے مابین اتنی دوری اور اتنے فاصلے کے باوجود رابطہ ہورہا ہے یا نہیں؟ بات چیت ہورہی ہے یا نہیں؟ آخر کیوں؟ اسی لیے تو کہ دونوں ایک دوسرے کو

جانتے پہچانتے ہیں اور دونوں کے مابین ایک رابطہ قائم ہے۔

ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

دوستو! اللہ رب العزت کے ساتھ بھی رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، تعلق بنایا جاسکتا ہے اور بنانے والے آج بھی بنارہے ہیں۔ یہ جو ہر وقت کی سنتیں ہیں، انھیں سنتوں کا اہتمام کرنا اللہ رب العزت کے ساتھ رابطہ بناتا ہے، ان کے ساتھ تعلق بناتا ہے۔ سنتوں کے اہتمام کے سبب اللہ پاک سے شناسائی ہوتی ہے، جان پہچان ہوتی ہے، باہم رابطہ قائم ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اللہ پاک کے ساتھ ایک ایسا خاص تعلق بن جاتا ہے کہ پھر بندہ ہر آن اللہ پاک کو خود سے بہت قریب پاتا ہے اور جب چاہتا ہے ان سے بات کرلیتا ہے۔

خدا کی قسم، جس دن ہماری اللہ پاک سے شناسائی ہوجائے گی، جان پہچان ہوجائے گی، ان کے ساتھ رابطہ اور تعلق بن جائے گا، اس دن ہمیں بھی یہ محسوس ہوگا کہ اللہ پاک ہمارے ساتھ ہیں، بالکل ہمارے پاس ہیں۔ پھر اس معیت اور قربت کے سبب ہر دم ان سے باتیں ہوں گی، راز و نیاز ہوگا، باہم سوال وجواب ہوں گے۔ اور اس گفتگو کو، اس راز و نیاز کو اور اس سوال وجواب کو ہمارے اور اللہ پاک کے علاوہ کوئی نہیں جان سکے گا۔ کبھی ہم سوال کریں گے تو وہ جواب دیں گے، کبھی ہم غم زدہ اور پریشان ہوں گے تو وہ تسلی دیں گے اور اس تسلی سے ہم جی ہی جی میں خوش ہوں گے۔ کسی کو اس گفتگو کی، اس راز و نیاز کی، اس تسلی اور دل داری کی خبر بھی نہ ہونے پاوے گی۔ اسی گفتگو کا اور اسی راز و نیاز کا تذکرہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے اس انداز سے کیا ہے کہ:

تم سا کوئی ہم دم کوئی دم ساز نہیں ہے
ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

دوستو! راز و نیاز کی باتیں اپنے کسی قریبی اور چہیتے ہی سے کی جاتی ہیں۔ جو اپنا نہیں ہوتا اس سے کوئی راز و نیاز کی باتیں نہیں کرتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ پاک کے محبوب اور چہیتے بن جائیں، ہمیں ان کے ساتھ قربت واپنائیت کا تعلق حاصل ہوجائے اور ہم بھی ان کے ساتھ اس طرح راز و نیاز کی باتیں کیا کریں تو یہ سب کچھ صرف اور صرف سنتوں کے اہتمام کی بہ دولت ہی ممکن ہے۔ اس کے بغیر ان کے ساتھ تعلق بن ہی نہیں سکتا، ان کی محبت مل ہی نہیں سکتی۔ ان تک پہنچنے کا اور ہر دم ان کے رابطے میں رہنے کا ذریعہ صرف اور صرف سنتوں کا اہتمام ہے، اس کے بغیر ان تک رسائی اور ان کے ساتھ رابطہ بہت مشکل ہے۔

اللہ پاک سے رابطے کا نمبر

دیکھئے! اگر ہم کسی سے ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ کرنا چاہیں تو ہمیں ان کا صحیح نمبر ڈائل کرنا ہوگا۔ جب صحیح اور درست نمبر ڈائل کیا جائے گا تو ان کے ساتھ رابطہ قائم ہوجائے گا اور اگر نمبر ہی غلط ڈائل کیا جائے تو پھر خواہ ہم لاکھ کوششیں کرلیں؛ لیکن رابطہ نہیں ہوسکتا۔ ٹھیک اسی طرح اگر ہم اللہ رب العزت کے ساتھ رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے صحیح نمبر ڈائل کرنا ہوگا۔ جب ہم صحیح نمبر ڈائل کریں گے تو پھر بہ آسانی ان کے ساتھ رابطہ قائم ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہم نے نمبر ہی غلط ڈائل کیا تو پھر تو

رابطہ نہیں ہوسکتا۔ خواہ ہم رات بھر عبادت کریں، دن بھر روزہ رکھیں، خوب مجاہدے کریں، خوب ریاضتیں کریں؛ لیکن رابطہ قائم نہیں ہوسکتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر رابطہ کا صحیح نمبر کیا ہے؟ تو اس کا جواب خود اللہ رب العزت نے دیا ہے اور اپنے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا نمبر خود بتلایا ہے کہ میرے محبوب کی سنتوں کا اہتمام کرنا میرے ساتھ رابطہ قائم کرنے کا صحیح نمبر ہے۔ اگر تمھاری زندگی میں سنتوں کا اہتمام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے میرے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لیے صحیح نمبر ڈائل کیا ہے۔ اور اگر تمھاری زندگی میں سنتوں کا اہتمام نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رابطے کے لیے ڈائل کیا گیا نمبر درست نہیں ہے۔ جب نمبر ہی درست نہ ہوگا تو پھر بھلا مجھ سے رابطہ کیوں کر ہو سکے گا؟

ہمیں اللہ کی قربت کا احساس کیوں نہیں؟

انھیں دیکھئے، ایک یہ بھی تو ہیں جو اللہ پاک سے بات کر رہے ہیں اور ان سے اپنی پریشانی کا حل پوچھ رہے ہیں۔ یہ بات چیت اسی لیے تو ہو رہی ہے کہ وہ اللہ پاک کو پہچان رہے ہیں، انھیں اپنے سے بہت قریب پا رہے ہیں، ان کے ساتھ رابطے میں ہیں۔ اس لیے کہ آدمی اسی سے بات چیت کرتا ہے جو اس سے قریب ہوتا ہے یا وہ جس کے ساتھ رابطے میں ہوتا ہے۔ اسی قربت اور رابطے کی بنا پر بات چیت ہوتی ہے، پوچھنا اور بتانا ہوتا ہے۔ میں بھی جو آپ سے گفتگو کر رہا ہوں اور آپ میری گفتگو سن رہے ہیں، یہ اسی لیے تو کہ ہم ایک دوسرے سے قریب ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، اس قربت اور دیکھنے کے سبب ہمارے درمیان ایک رابطہ قائم ہے۔

دوستو! جتنے ہم ایک دوسرے سے قریب ہیں، اس سے کہیں زیادہ اللہ پاک ہم سے قریب ہیں۔ خود فرماتے ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کہ میں تمھاری شہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ جب مخلوق کی ایجاد کردہ ایک چیز کے ذریعے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود رابطہ ہو جاتا ہے تو کیا خالقِ کائنات کے بنائے گئے اس دل کے ذریعے ان سے رابطہ کرنا، جب کہ وہ ہماری شہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں ممکن نہیں ہے؟

دوستو! اللہ پاک تو ہم سے اتنے قریب ہیں۔ لیکن ہم ان کی اتنی قربت کے باوجود ان سے اتنے ہی غافل ہیں۔ یہ غفلت اسی لیے ہے کہ ہم سنتوں کے اہتمام سے غافل ہیں۔ یہ جو ہر وقت کی مسنون اعمال اور مسنون دعائیں ہیں، وہ غفلتوں سے نکالنے ہی کے لیے دیے گئے تھے کہ ہم ان کے ذریعے غفلتوں سے نکلیں اور خدا کے رابطے میں رہیں۔ لیکن ہم نے سنتوں کے اہتمام ہی سے غفلت برتی، جس کی وجہ سے ہمارے قلب پر غفلت کا ایسا پردہ پڑا کہ اللہ رب العزت جیسی پیاری اور مہربان ذات کا احساس اتنی قربت کے باوجود ہمیں نہیں ہوتا۔

غفلت کو دور کرنے والا عمل

دیکھیے! آدمی ہر وقت کسی نہ کسی عمل میں مشغول ہوتا ہے۔ پس جو آدمی جس عمل میں مشغول ہے، اگر اس نے اپنا وہ عمل سنت کے مطابق انجام دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت غافل نہیں ہے اور اگر اس نے وہ عمل سنت کے مطابق انجام نہیں دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت غافل ہے۔

اسے مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک آدمی ابھی نیند سے بیدار ہوا اور بیدار ہوتے ہی

اس نے وہ تمام اعمال جو اس وقت مسنون ہیں انجام دے لیے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی صبح غفلت کے ساتھ نہیں ہوئی ہے۔ اور اگر بیدار ہونے کے بعد اس نے وہ اعمالِ مسنونہ بھلا دیے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس نے صبح اس حال میں کی ہے کہ وہ اللہ پاک اور ان کے پیارے رسول ﷺ کی یاد سے بالکل غافل ہے۔ پس جس شخص کی چوبیس گھنٹے کی زندگی میں سنتوں کا اہتمام ہو تو یوں سمجھیں کہ اس شخص کی چوبیس گھنٹے کی زندگی سے غفلت دور ہوگئی ہے۔ اور جس کی زندگی سے جس قدر غفلت دور ہوگی اسی قدر وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ رب العزت کے احکامات کا خیال رکھنے والا اور احسن طریقے پر ان کی بجا آوری کرنے والا ہوگا۔

فکر بھی ہو اور مشق بھی

اب اگر کوئی کہے کہ یہ تو بہت مشکل کام ہے کہ آدمی کو ہر وقت کی سنتوں کا خیال رہے، ہر عمل میں نبی کے طریقے کا دھیان رہے۔ تو اس تعلق سے بھی سن لیجیے کہ یہ کام فی الحقیقت کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہمیں اس لیے مشکل نظر آرہا ہے کہ ہم نے اس کا اہتمام نہیں کیا ہے، اس کی مشق نہیں کی ہے۔ جو لوگ سنتوں کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لیے ہر وقت کی سنتوں کا خیال رکھنا مشکل نہیں رہتا۔ اگر ہم بھی تھوڑی کوشش کریں اور سنتوں کے اہتمام کی فکر اپنے اوپر غالب کرلیں تو ہمیں بھی ہر وقت کی سنتوں کا خیال رہنے لگے گا اور کچھ ہی دنوں میں ایسی مشق ہو جائے گی کہ پھر ان شاء اللہ روز مرّہ کے سارے اعمال سنت کے مطابق انجام پانے لگیں گے۔

آقا یاد کیوں نہ آئیں گے

دوستو! ہر وقت کی سنتوں کا خیال رکھنا مشکل نہیں ہے؛ بل کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا ہماری عملی زندگی سے بھی تعلق ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ہم خود یہ محسوس کریں گے کہ ایک ایسا عمل جو کسی خاص واقعے سے تعلق رکھتا ہو یا پھر ہمیں کسی نے بتایا ہو تو اس عمل کے انجام دیتے وقت ہمیں اس واقعے کا یا اس شخص کا خیال ضرور آتا ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ میرا ایک جگہ جانا ہوا، وہاں ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ ملاقات پر میں نے انھیں کچھ عملی باتیں بھی بتائی تھیں۔ پھر درمیان میں کئی سال ایسے گذرے کہ میرا اس جگہ جانا ہوا اور نہ ان صاحب سے ملاقات کی کوئی سبیل بن سکی۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے جب میں وہاں گیا تو وہ صاحب پھر ملے، ملاقات پر علیک سلیک ہوئی۔ کہنے لگے شکیل بھائی! اگرچہ بہت عرصے کے بعد ہماری ملاقات ہو رہی ہے؛ لیکن آپ مجھے روزانہ یاد آتے ہیں۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ گذشتہ ملاقات پر آپ نے مجھے کچھ مسنون اعمال بتلائے تھے، الحمدللہ میں اس وقت سے ان تمام اعمال پر پابندی کے ساتھ عمل کرتا ہوں۔ آپ نے بتایا تھا کہ جب سیڑھی پر یا کسی اونچی جگہ پر چڑھنا ہو تو پہلے دایاں قدم بڑھائیں اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں۔ اور جب نیچے کی طرف آنا ہو تو پہلے بایاں قدم بڑھائیں اور سُبْحَانَ اللّٰہِ کہیں، یہ سنت ہے۔ میں جب بھی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دایاں قدم بڑھاتا ہوں اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہوں یا اترتے وقت بایاں قدم بڑھاتا ہوں اور سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتا ہوں تو مجھے فوراً آپ کی یاد آتی ہے کہ آپ نے مجھے یہ عمل بتلایا تھا۔

میاں! جب سنت بتانے والے شخص کی یاد آسکتی ہے تو پھر جس ذات کی یہ سنت ہے اور جس کا یہ طریقہ ہے، عمل کے وقت اس ذات کی یاد کیوں نہیں آسکتی؟ ضرور آسکتی ہے، بس ذرا سی مشق کی ضرورت ہے۔ اور جب مشق ہو جاتی ہے تو پھر سنت پر عمل کرتے ہوئے آقا کی ذات ذہن میں مستحضر رہتی ہے اور اس قدر لطف آتا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔

سنت پر عمل نبی کی یاد کے ساتھ ہو

دوستو! اللہ رب العزت نے اعمالِ مسنونہ پر حضور اکرم ﷺ کی یاد کے ساتھ عمل کرنے میں ایک الگ ہی لذت رکھی ہے اور یہ لذت اللہ پاک نے بہت سے لوگوں کو عطا بھی فرمائی ہے۔ اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ اسی لیے میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ صرف سنت کے مطابق عمل نہ کریں؛ بل کہ حضور اکرم ﷺ کی یاد کے ساتھ سنت پر عمل کریں۔ عمل کے وقت حضور (ﷺ) یاد آئیں، آقا یاد آئیں۔ کر کے دیکھیں دوستو! اس کا مزہ اور سرور کچھ اور ہی ہوگا؛ بل کہ میں تو قسمیہ کہہ سکتا ہوں کہ سنت پر عمل کرنے میں وہ کیف اور سرور ہے کہ جو ایک مرتبہ اس سے آشنا ہو جائے گا پھر وہ دنیا کی ساری لذتوں اور مستیوں کو بھول جائے گا، پھر اسے دنیا کی تمام چیزوں کے مقابلے سنت کی اتباع میں وہ کیف وسرور میں ملے گا کہ بس وہی جانے گا۔

میں یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ تجربہ اور مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ جب آدمی کو بہ فضلِ خداوندی کچھ اعمالِ مسنونہ پر عمل کی توفیق ہو جاتی ہے تو پھر کچھ دنوں کے بعد رفتہ رفتہ اسے ان اعمال کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ پھر وہ بے خیالی میں بھی ان اعمال کو مسنون طریقے کے مطابق ہی انجام دینے لگتا ہے۔ عمل کے وقت نبی کی یاد نہیں ہوتی کہ

میں یہ عمل کیوں کررہا ہوں، کس کی اتباع میں کررہا ہوں۔ سنت کی اتباع کا خیال رفتہ رفتہ دل سے نکلتا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال اور دھیان ضرور رہے کہ عمل تو سنت کے مطابق ہو؛ لیکن حضور ﷺ کی یاد کے ساتھ ہو، انھیں بھول کر نہ ہو۔ عمل کے وقت آقا یاد آئیں کہ میں یہ عمل اس طریقے پر اس لیے کررہا ہوں کہ میرے آقا نے اس عمل کو اسی طرح انجام دیا ہے۔ جب کبھی نیند سے بیدار ہوں تو اس وقت دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملیں اور سوچیں کہ میرے آقا بیدار ہوتے وقت ایسا کیا کرتے تھے۔ آنکھوں کو ملتے وقت تین بار الحمدللہ کہیں اور سوچیں کہ میرے آقا اس وقت تین بار الحمدللہ کہا کرتے تھے۔ پھر ایک بار کلمۂ طیبہ پڑھیں اور سوچیں کہ آقا اس وقت ایک بار کلمۂ طیبہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر سوکر اٹھنے کے بعد کی دعا پڑھیں اور سوچیں کہ بیدار ہونے کے بعد آقا یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح کرتے رہیں اور سوچتے رہیں، عمل ہوتا جارہا ہو اور تصور میں آقا گھومتے جارہے ہوں۔

دوستو! ہم انھیں نہ سوچیں تو پھر کسے سوچیں؟ انھیں یاد نہ رکھیں تو پھر کسے یاد رکھیں؟ ہمارا ان کے سوا ہے ہی کون؟ لیکن افسوس کہ ہم اول تو اعمالِ مسنونہ کا اہتمام نہیں کرتے اور اگر بہ توفیقِ الٰہی کچھ کر بھی لیتے ہیں تو آقا کو بھول کر کرتے ہیں، ان کی یاد کے بغیر کرتے ہیں، الا ماشاءاللہ۔

ایسا عمل کہ دشمن نیکی یاد دلائے

دوستو! سنتوں کا اہتمام کرکے دیکھیں اور حضور اکرم ﷺ کی یاد کے ساتھ کرکے دیکھیں۔ ان شاءاللہ کچھ دنوں کے بعد ایسی مشق ہوجائے گی کہ پھر سنت کے خلاف

کرنا یاد نہیں رہے گا۔

چناں چہ ایک صاحب کا بیان ہے کہ میری والدہ نے مجھے بچپن میں کپڑا پہننے اور اتارنے کا مسنون طریقہ بتایا تھا اور اسی وقت سے مجھے مسنون طریقے کے مطابق کپڑا پہننے اور اتارنے کی مشق کرائی تھی، میں الحمدللہ اسی وقت سے مسنون طریقے کے مطابق کپڑا پہنتا اور اتارتا ہوں۔ مجھے یہ یاد ہی نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی مسنون طریقے کے خلاف کپڑا پہنا یا اتارا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کرتا پہنتے وقت پہلے بائیں آستین میں ہاتھ ڈالا ہو یا اتارتے وقت پہلے دائیں آستین سے ہاتھ نکالا ہو۔

ہاں البتہ کرتا پہنتے وقت کبھی کبھی بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہوں؛ لیکن یہ اللہ پاک ہی کا احسان ہے کہ جب کبھی بھولتا ہوں تو وہ فوراً متنبہ کرتے ہیں۔ پھر انھیں کی دی ہوئی توفیق سے یہ کرتا ہوں کہ پہلے مسنون طریقے کے مطابق کرتا اتارتا ہوں، اتارتے وقت کی دعا پڑھتا ہوں، بسم اللہ کے بھولنے پر توبہ استغفار کرتا ہوں، پھر بسم اللہ کہہ کر دوبارہ مسنون طریقے کے مطابق پہنتا ہوں اور پھر کپڑا پہننے کی دعا بھی پڑھتا ہوں۔

پھر کہنے لگے شکیل بھائی! نفس اور شیطان نے مجھے ایک مسنون عمل بھلایا تھا؛ لیکن میں اسی وقت اللہ رب العزت کی دی ہوئی توفیق سے چار عمل سنت کے مطابق انجام دیتا ہوں۔ جب میں اس طرح ان کے بھلانے پر اس عمل کو اسی وقت سنت کے مطابق انجام دیتا ہوں اور ایک نہیں کئی عمل سنت کے مطابق انجام دیتا ہوں تو پھر نفس اور شیطان آئندہ بھلانے کی جرأت نہیں کرتے؛ بل کہ از خود مجھے یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو یہ سنت ہے، دیکھو یہ سنت ہے۔

ان کی اس بات کا تو مجھے بھی خوب تجربہ ہے کہ جب نفس اور شیطان نے مل کر مجھے کسی عمل کا مسنون طریقہ بھلا دیا تو میں نے اسی وقت اللہ رب العزت کی دی ہوئی توفیق سے اس عمل کو بھی سنت کے مطابق انجام دیا، ساتھ ہی اس سے متعلقہ دوسرے اعمال بھی سنت کے مطابق انجام دیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ جب بھی اس عمل کا موقع آیا تو ان گروگھنٹالوں نے خود یاد دلایا کہ دیکھو یہ سنت ہے، خیال رکھو یہ سنت ہے۔ دیکھئے! جب انھوں نے سنت پر عمل کی مشق کی اور خوب اہتمام کے ساتھ عمل کیا تو کہہ رہے ہیں کہ مجھے خلافِ سنت کپڑا پہننا یاد ہی نہیں ہے۔

دوستو! اگر ہم بھی فکر کریں اور تھوڑی مشق کرلیں تو ہمیں بھی ہر عمل میں مسنون طریقے کا اہتمام نصیب ہوسکتا ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ جب بندہ کسی کام کے کرنے کی فکر کرتا ہے اور اس فکر کو اپنے اوپر غالب کرلیتا ہے اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ پاک اس کی کوششوں کو ضائع جانے نہیں دیتے، اسے اس کے مقصود تک ضرور پہنچاتے ہیں۔

ایک اہم بات

جس طرح ہمیں نماز اللہ رب العزت کی یاد کے لیے دی گئی تھی اسی طرح اعمالِ مسنونہ حضور اکرم ﷺ کی یاد کے لیے دیے گئے تھے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہمیں نماز میں اللہ کی یاد آتی ہے اور نہ ہی اعمالِ مسنونہ کے وقت حضور ﷺ یاد آتے ہیں؛ حال آں کہ یہ دونوں اعمال یاد کے لیے دیے گئے تھے۔

یاد رکھیں! مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا گویا اس وقت اللہ پاک کو یاد رکھنا ہے اور

ان سے غفلت برتنا گویا اس وقت اللہ پاک کو بھول جانا ہے۔ اسی طرح اعمالِ مسنونہ کا اہتمام کرنا گویا اس وقت حضور ﷺ کو یاد رکھنا ہے اور ان سے غفلت برتنا گویا اس وقت حضور ﷺ کو بھول جانا ہے۔

قبر کے سوالات کی تیاری

نیز اگر بہ غور دیکھیں تو مسنون دعاؤں اور مسنون اعمال کا اہتمام کرنا دراصل قبر کے سوالوں کے جوابات کی تیاری کرنا ہے، وہ اس طرح کہ قبر میں ہر شخص سے تین سوال کیے جائیں گے۔

۱ پہلا سوال ہوگا ''مَنْ رَّبُّكَ'' تمھارا رب کون ہے؟

۲ دوسرا سوال ہوگا ''مَادِيْنُكَ'' کہ تمھارا دین کیا ہے؟

۳ تیسرا سوال اس صورت میں ہوگا کہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا چہرۂ مبارک دکھلا کر پوچھا جائے گا ''مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ'' کہ انھیں پہچانتے ہو یہ کون ہیں؟

پس جو شخص مسنون دعاؤں کا اہتمام کرتا ہے وہ دراصل قبر کے پہلے سوال کے جواب کی تیاری کررہا ہے اور ان دعاؤں کے ذریعے ہر وقت اپنے رب کو یاد رکھ رہا ہے۔ اور جس نے دنیا میں ہر وقت اپنے رب کو یاد رکھا ہوگا وہ بھلا قبر میں جا کر انھیں کیوں کر بھول جائے گا۔ وہ وہاں بھی انھیں یاد رکھے گا اور فوراً جواب دے گا کہ میرا رب اللہ ہے جس سے میں ہر دم سوال کیا کرتا تھا، جو میری ہر ضرورت کو پورا کیا کرتا تھا اور جسے میں ہر مشکل میں پکارا کرتا تھا۔

اسی طرح جو شخص مسنون اعمال کا اہتمام کرتا ہے وہ دراصل قبر کے تیسرے سوال

کے جواب کی تیاری کر رہا ہے۔ اس طور پر کہ ان مسنون اعمال کے ذریعے وہ ہر وقت حضور ﷺ کو یاد رکھتا ہے۔ پس جس نے دنیا میں رہتے ہوئے اپنے تمام اعمال میں آپ کی اتباع کی اور اس اتباع کے ذریعے ہر دم آپ کو یاد رکھا، وہ قبر میں بھی آپ کو یاد رکھے گا، آپ کو پہچانے گا۔ اور صرف یاد ہی نہیں رکھے گا؛ بل کہ آپ کے دیدار کا منتظر ہوگا کہ کب میں اپنے محبوب کا رخِ انور دیکھوں اور ان کی زیارت کروں۔

اس لیے کہ دنیا میں تو زیارت نہ کر سکا، وہاں تو دیدار کے لیے آنکھیں ترس گئیں تھیں۔ دل بہت تڑپتا اور بہت مچلتا تھا کہ کاش! ایک بار ہی سہی، لیکن حضور ﷺ کی زیارت ہوجاتی؛ لیکن اللہ رب العزت کی مصلحت کہ وہاں زیارت نہ ہوسکی۔ اللہ رب العزت سے کہتا اور مانگتا اس لیے نہیں تھا کہ کس منھ سے مانگوں؟ ساری زندگی تو حضور ﷺ کی بغاوت میں گذری ہے، ان کی نافرمانی میں گذری ہے، پھر بھلا میں انھیں منھ دکھانے کے قابل کہاں؟ اس لیے کبھی اس کی درخواست نہ کی۔ بس یہی سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیتا اور بہلا لیتا کہ دنیا میں زیارت نہ ہونے کا غم نہ کر، قبر میں زیارت ہو ہی جائے گی۔ میں تو کب سے اس دن کا اور اس گھڑی کا انتظار کر رہا تھا، مدتوں انتظار کے بعد آج موقع ملا ہے، لہٰذا آج جی بھر اپنے محبوب کا دیدار کروں گا۔

پس جوں ہی آقا کا چہرۂ انور اسے دکھلایا جائے گا وہ مچل اٹھے گا، فرطِ محبت سے اس کا چہرہ کھل جائے گا اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ مسکراتے ہوئے جواب دے گا کہ ان کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو، میں نے انھیں دنیا میں بھلایا ہی کب تھا جو آج بھول جاؤں گا؟ میں تو ہر وقت انھیں یاد رکھتا تھا اور انھیں تصور میں رکھتے ہوئے اپنا ہر کام انھیں کے طریقے کے مطابق انجام دیا کرتا تھا۔ یہ میرے نبی ہیں، میرے آقا جناب محمد رسول

اللہ ﷺ ہیں اور میں ان کا ادنیٰ امتی اور ادنیٰ غلام ہوں۔

ایک متّبعِ رسول کا حال

ہاں دوستو! یاد رکھنے والوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ چناں چہ ابھی حال ہی میں ایک بزرگ کا انتقال ہوا جو بڑے اللہ والے تھے۔ سادات میں سے تھے، بڑے عالم تھے اور بڑے خوش مزاج تھے۔ گجرات کے ایک مدرسے میں حدیث کی بڑی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ ساری زندگی قال اللہ اور قال الرسول میں گذار دی تھی۔ اتنے بڑے عالم اور اتنے بڑے اللہ والے ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بہت چھپایا تھا۔ لوگوں میں گھلے ملے رہتے اور ان سے خوب دل لگی کیا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کے ایک شاگرد نے انھیں خواب میں دیکھا۔ اور دیکھا کیا میاں، اللہ العزت نے دکھلایا کہ دیکھو! مجھے اور میرے محبوب کو یاد رکھنے والے قبر میں بھی کس شان سے اور کتنے اطمینان کے ساتھ رہتے ہیں۔

الغرض ان کے شاگرد نے خواب میں قبر کا منظر دیکھا کہ حضرت قبر میں لیٹے ہوئے ہیں۔ منکر نکیر آئے اور اپنے معمول کے مطابق سوالات کرنے لگے۔ جب چہرۂ انور دکھلا کر سوال کیا گیا کہ انھیں پہچانتے ہو یہ کون ہیں؟ تو حضرت نے بڑے اطمینان سے؛ بل کہ ایک گونہ ناز کے ساتھ جواب دیا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو، نانا جان ہی سے پوچھ لو کہ میں کون ہوں۔

ذرا سوچیں دوستو! کہ زندگی میں انھوں نے حضور کو کیسا یاد رکھا ہوگا، آقا کے ساتھ کیسا تعلق بنایا ہوگا اور اتباعِ سنت کا کس درجہ اہتمام کیا ہوگا کہ اتنے ناز سے جواب دے

رہے ہیں۔ اتنا ناز بھرا جواب وہی شخص دے سکتا ہے جس نے اتباعِ کامل کے ذریعے آپ کے ساتھ ایک خاص تعلق اور ایک خاص رشتہ بنالیا ہو، ایسا جواب ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ رب العزت اپنے ان محبوب اور مقبول بندوں کے صدقے اور طفیل میں ہم سیہ کاروں کو بھی آپ کا ایسا تعلق، ایسی اتباع اور ایسی یاد نصیب فرمائیں کہ جس کی بنیاد پر نہ صرف قبر میں ہم آپ کو پہچان لیں؛ بل کہ روزِ محشر جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ کا سامنا ہو تو آپ بھی ہمیں پہچان لیں، ہمیں دیکھ کر خوش ہو جائیں، محبت سے گلے لگالیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ہماری سفارش کردیں کہ یا اللہ! یہ میرا امتی ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ اس نے دنیا میں مجھے ہمیشہ یاد رکھا، کبھی فراموش نہ کیا، میرے غم کو اپنا غم اور میرے درد کو اپنا درد سمجھا اور اسی غم اور درد کے ساتھ اپنی ساری زندگی گذار دی۔ یا اللہ! آج میں اس سے راضی ہوں، پس آپ بھی اس سے راضی ہو جائیے، اسے پیار کی نگاہ سے دیکھ لیجیے اور اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے دیجیے۔ اور پھر اللہ رب العزت حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی اس محبت بھری درخواست کو ہمارے حق میں قبول فرمالیں۔

الغرض مسنون دعاؤں اور مسنون اعمال کا اہتمام دراصل قبر کے سوالات کے جوابات کی تیاری ہے جس سے آج ہم لوگ حد درجہ غافل ہیں۔ اللہ پاک ہمارے اس قصور کو معاف فرمائیں اور ہمیں حضور اکرم ﷺ کی ایسی اتباع جو اللہ رب العزت کو مطلوب اور محبوب ہو، نصیب فرمائیں۔

ہمارا ضابطہ

دوستو! دنیا میں ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ یاد رکھنے والوں کو ہم یاد رکھتے ہیں اور بھلانے

والوں کو ہم بھی بھلا دیا کرتے ہیں۔ پس جب ہمارا دستور اور ضابطہ یہ ہے تو ہم اپنے اس ضابطے کے مطابق سوچ لیں کہ جو شخص مسنون دعاؤں اور مسنون اعمال کے ذریعے جس قدر اللہ پاک اور ان کے پیارے رسول ﷺ کو دنیا میں یاد رکھے گا وہ اتنا ہی دنیا میں بھی یاد رکھا جائے گا اور قیامت کے روز بھی یاد رکھا جائے گا۔ اور جو شخص دنیا میں ان اعمال سے جتنی غفلت برتے گا اور انھیں بھلائے رکھے گا وہ نہ صرف دنیا میں بھلا یا جائے گا؛ بل کہ قیامت کے روز بھی وہ اتنا ہی بھلا دیا جائے گا۔ اور جسے قیامت کے روز اللہ پاک اور اس کے پیارے رسول ﷺ بھلا دیں، اس سے منھ پھیر لیں اور اسے دور کردیں تو پھر بتائیں کہ اس روز اس کا پرسانِ حال کون ہوگا؟

یہ منھ پھیرا جانا ممکن ہے اور یقینا کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن سے قیامت کے روز اللہ پاک منھ پھیر لیں گے۔ اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو جناب نبیٔ اکرم ﷺ یہ دعا نہ مانگتے اور اپنی امت کو یہ دعا نہ سکھاتے ” اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ اَنۡ تَصُدَّعَنِّیۡ وَجۡهَكَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ “ کہ یا اللہ! میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ قیامت کے روز آپ مجھ سے اپنا چہرہ پھیر لیں۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ پاک ہمیں یاد رکھیں، حضور ﷺ ہمیں یاد رکھیں، ہم سے منھ نہ پھیریں تو ہمیں مسنون دعاؤں اور مسنون اعمال کا بہت اہتمام کرنا چاہیے کہ اس کے بغیر اس برے انجام سے نہیں بچا جا سکتا۔

آمدم برسرِ مطلب

خیر، بات پر بات نکلتی گئی اور گفتگو طویل ہو گئی۔ تاہم بحمد للہ درمیان میں بھی کام کی

باتیں ہوئیں ہیں۔ ورنہ تو میں ان صاحب کا واقعہ نقل کررہا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جوں ہی اللہ پاک کی جانب متوجہ ہوا اور میں نے ان سے پوچھا تو فوراً اللہ پاک نے میرے دل میں بات ڈالی کہ میرے بندے! آج تو مسواک کرنا بھول گیا ہے، جب تو روزانہ سونے سے پہلے مسواک کے ذریعے میرے نبی کو یادرکھتا ہے تو پھر بھلا میں تجھے آج کیسے بھول جانے دوں؟ میں تجھے مسواک کیے بغیر سونے دینا نہیں چاہتا تھا، اسی لیے میں نے تیری نیند کو روک لیا تھا۔ اٹھ، نبی کی یاد کے ساتھ مسواک کر، پھر سوجا۔ کہتے ہیں کہ میں بستر سے اٹھا، مسواک کی اور دوبارہ لیٹ گیا۔ اب جو لیٹا تو معمول کے مطابق فوراً نیند آگئی۔

دیکھا آپ نے! پوچھنے پر اللہ پاک کی جانب سے رہبری ہوئی یا نہیں؟ ان کی جانب سے جواب آیا یا نہیں؟ اور میاں! پوچھنے پر ان کی جانب سے جواب آیا ہی کرتا ہے، کوئی پوچھ کر تو دیکھے، کوئی انھیں دل سے یاد تو کرے، کوئی ان سے بات تو کرے، وہ ہر ایک کی سنتے ہیں اور ہر ایک کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ یہ جو دل میں بات ڈالی جاتی ہے اور کبھی کسی بات کا الہام ہوتا ہے، یہی درحقیقت ان کا جواب ہوتا ہے، وہ اسی طرح اپنے بندوں کی رہبری کیا کرتے ہیں۔

دوستو! کبھی ہم بھی تو ان سے بات کر کے دیکھیں، ان سے کچھ پوچھ کر دیکھیں، خدا کی قسم وہ ضرور جواب دیں گے، اگر جواب نہ دیں تو مجھ سے کہیے گا۔ سنت کا اہتمام کرنے والوں کی آج بھی رہبری کی جارہی ہے، انھیں آج بھی بھولنے نہیں دیا جاتا۔ کاش! ہم بھی سنتوں کا اہتمام کرنے والے اور ان سنتوں کے ذریعے ہر دم حضور ﷺ کو یاد رکھنے والے بن جاتے تو ہمیں بھی ایسے ہی متوجہ کیا جاتا اور ہماری بھی ایسی ہی رہبری کی جاتی۔

کرامات کا ظہور مقبولیت کی دلیل نہیں ہے

لیکن ہم لوگ سنتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ اہتمام کرنے والوں کو کچھ اہمیت دیتے ہیں؛ بل کہ کشف وکرامات والوں کو ڈھونڈتے ہیں اور انھیں کے معتقد ہوئے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں صاحب بڑے صاحبِ کشف ہیں، فلاں صاحب سے بڑی کراماتوں کا ظہور ہوتا ہے۔

یادرکھیں! کشف وکرامات کا ظہور مقبولیت کی دلیل نہیں ہے، خرقِ عادت چیزوں کا ظہور تو کبھی کبھی کسی غیر مومن کے ذریعے بھی ہوجاتا ہے اور ہوا بھی ہے، تو کیا اس صورت میں یہ کہا جاوے گا کہ وہ شخص اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ہے؟ ہرگز نہیں، لیکن آج کل لوگ اسی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ آج کل سمجھ رہے ہیں؛ بل کہ ہر دور میں کچھ نادان ایسے رہے ہیں۔

چناں چہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ ایک شخص تقریباً دس برس تک حضرت کی خدمت میں رہا۔ دس برس کوئی معمولی مدت نہیں ہوتی، ایک طویل زمانہ ہوتا ہے۔ اتنا طویل زمانہ حضرت کی خدمت میں گذارنے کے بعد ایک روز کہنے لگا کہ حضرت! میں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیوں جانا چاہتے ہو، کیا بات پیش آگئی؟ کہنے لگا کہ حضرت! بات دراصل یہ ہے کہ میں نے آپ کا بڑا نام سنا تھا کہ آپ بڑے بزرگ ہیں، بڑے اللہ والے ہیں، علاقے بھر میں آپ کی شہرت اور آپ کا چرچا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب حضرت اتنے بڑے بزرگ اور اتنے بڑے اللہ والے ہیں تو ان سے کشف وکرامات کا صدور لازماً ہوتا ہوگا اور اگر میں ان کی

صحبت میں رہوں گا تو مجھے ان کی بہت سی کرامتوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا، بس یہ سوچ کر میں آپ کی خدمت میں پڑا رہا؛ لیکن اتنا طویل زمانہ آپ کی خدمت میں گذارنے کے باوجود میں نے آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی، اس لیے اب واپس جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا ٹھیک ہے، اگر تم جانا ہی چاہتے ہو تو ضرور چلے جاؤ، میں تمھیں ہرگز نہیں روکوں گا؛ لیکن ایک بات بتاتے جاؤ کہ تم نے دس سال کا طویل عرصہ میرے ساتھ گذارا، اس دوران کیا کبھی میرا کوئی عمل خلافِ سنت بھی دیکھا ہے؟ کہنے لگا نہیں، خلافِ سنت عمل تو کوئی نہیں دیکھا۔ فرمایا میاں! جنید کی اس سے بڑی کرامت اور کیا ہوگی کہ دس سال کے عرصے میں اس سے کسی خلافِ سنت عمل کا صدور نہیں ہوا۔

دیکھئے! ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو صرف کشف وکرامات کے منتظر رہتے ہیں۔ اور جس کی زندگی میں ان خوارقِ عادات کا ظہور نہیں دیکھتے، اس کی زندگی خواہ اتباعِ سنت سے کتنی ہی آراستہ کیوں نہ ہو اسے بالکل خاطر میں نہیں لاتے، جب کہ اتباعِ سنت کے مقابلے میں ان مادی کشف وکرامات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اسی لیے عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ''مادّی کشف وکرامات سے بہتر روحانی کشف وکرامات ہیں اور یہ روحانی کشف وکرامات اتباعِ سنت کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں''۔ اتباعِ سنت ایک ایسا عمل ہے کہ اس کے ذریعے انسان روحانی طور پر صاحبِ کرامت ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اعمالِ مسنونہ میں اتنی کشش اور جاذبیت رکھی ہے کہ ان کا اہتمام کرنے والا عنداللہ وعندالناس مقبول بن جایا کرتا ہے۔

اصل کمال اتباعِ سنت ہے

دوستو! ایک مومن کا اصل کمال اتباعِ سنت ہے، اس کی عنداللہ محبوبیت اور مقبولیت کی دلیل ہی یہ ہے کہ اس کا ہر فعل اور ہر عمل سنت کے مطابق ہو۔ ہاں بھول چوک انسان کے ساتھ لگی رہتی ہے، اگر کبھی بھولے سے کوئی عمل خلافِ سنت ہو بھی گیا تو شرعاً اس پر سرزنش ہوتی ہے اور نہ اس پر کسی قسم کا کوئی مؤاخذہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس بھول چوک سے اس کی محبوبیت اور مقبولیت پر کوئی حرف آتا ہے؛ بل کہ من جانبِ اللہ اسے متوجہ کیا جاتا ہے اور اس کی رہبری کی جاتی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔

محبوبیت کی بقا کا غیبی انتظام

نیز اگر بہ غور دیکھیں تو یہ بھول چوک متّبعِ سنت بندے کے حق میں اللہ رب العزت کی ایک بہت بڑی مہربانی تو ہے ہی، ساتھ ہی اس بندے کی محبوبیت اور مقبولیت کی بقا کا ایک غیبی انتظام بھی ہے۔ وہ اس طور پر کہ جب اس بندے سے اس طرح کی بھول چوک سرزد ہوتی ہے تو اس بھول چوک کے سبب اسے ناز نہیں ہوتا، یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں بہت کچھ کرتا ہوں، میں بڑا متّبعِ سنت ہوں، ہر وقت کی سنتوں کا مجھے بڑا خیال رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ بھول چوک نہ ہو تو پھر آدمی کے ناز میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے جو کہ ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔ پس اس بھول چوک کا ایک فائدہ تو یہی ہے کہ بندہ ناز میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب وہ اس ترکِ سنت پر پچھتاتا ہے کہ ہائے یہ مجھ سے کیا ہو گیا، میں اس وقت کی سنت کو کیسے بھول گیا، تو اس کے اس پچھتاوے کے بعد اللہ رب

العزت کا پیار اس پر اور بڑھ جاتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو تو سہی، میرے محبوب کے طریقے کی خلاف ورزی پر کیسا پچھتا رہا ہے۔ حال آں کہ اس نے قصداً ایسا نہیں کیا ہے؛ بل کہ سہواً اس سے ایسا ہو گیا ہے، اس کے باوجود یہ اس قدر نادم اور شرمندہ ہو رہا ہے۔ بندے کی اس ندامت و شرمندگی پر اور اس کے پچھتاوے پر اللہ رب العزت کی نظرِ رحمت اور نظرِ محبت اس کی طرف اور متوجہ ہو جاتی ہے، پیار اور بڑھ جاتا ہے۔ اتباعِ سنت پر اسے جو کچھ ملتا اس نظرِ رحمت اور نظرِ محبت کی بنا پر اس سے کہیں زیادہ اللہ رب العزت اسے عطا فرماتے ہیں۔ پس اتباعِ سنت کا جو مقصد تھا کہ بندہ الطافِ باری اور عنایاتِ ربّانی کا مورد بن جائے، وہ مقصد اس صورت میں بھی حاصل ہو جاتا ہے؛ بل کہ اس کے ساتھ کچھ اور اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک الگ اور مستقل نفع ہے جو بھولے سے ترکِ سنت کے بعد پچھتانے پر اسے حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ اتباعِ سنت کے اہتمام کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نفس اور شیطان جو انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ان کے دھوکوں سے اور ان کے مکر و فریب میں گرفتار ہونے سے اس متّبعِ سنت بندے کی حفاظت کی جاتی ہے۔

نفس اور شیطان کے پیدا کرنے کی حکمت

دوستو! ہم سب جانتے ہیں کہ نفس اور شیطان ہمارے دشمن ہیں اور ان دونوں دشمنوں کو بھی اللہ رب العزت ہی نے پیدا کیا ہے۔ اب یہ بات کہ جب اللہ رب العزت اپنے بندوں پر مہربان ہیں تو پھر انھوں نے اپنے بندوں کے لیے دشمن کیوں بنائے؟ یہ ایک الگ اور ایک مستقل سوال ہے جس کا تفصیلی جواب تو میں پھر کسی وقت دوں گا؛ البتہ

اس وقت مختصراً اتنا کہتا چلوں کہ اللہ رب العزت ایمان والوں کے دوست ہیں، خود ارشاد فرمایا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اللہ رب العزت ایمان والوں کے دوست ہیں اور اس دوستی کا ثبوت یہ دیا ہے کہ قدم قدم پر ہماری ضرورت کے سارے اسباب و وسائل ہمیں مہیا فرما دیے اور ہماری ہر ممکن ضروت اور راحت کا پورا خیال رکھا۔

دشمن کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ پاک تو ہمارے ہیں اور انھوں نے اپنے دوست ہونے کا ثبوت بھی فراہم کر دیا ہے؛ لیکن ہم ان کے ہیں یا نہیں یہ تو دشمن سے مقابلے کے وقت ہی پتہ چلے گا۔ اگر ہم دشمن کی بات نہیں مانتے؛ بل کہ ان کی مخالفت کرتے ہیں، ان سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی اللہ کے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر ہم دشمن کی مانتے ہیں اور اللہ رب العزت کے مقابلے میں ان کی اطاعت کرتے ہیں تو پھر خواہ ساری دنیا مل کر ہمیں اللہ والا کہتی رہے؛ لیکن اللہ پاک کہتے ہیں کہ تم میرے نہیں ہو۔

ماں سے زیادہ محبت کرنے والی ذات

دوستو! اللہ رب العزت نے ایمان والوں کے دو دشمن ضرور بنائے ہیں؛ لیکن انھیں مکمل طور پر ان کے دشمنوں کے حوالے نہیں کیا ہے؛ بل کہ ان سے حفاظت کا سامان اور ہتھیار بھی انھیں عطا فرمایا ہے۔ وہ سامان اور ہتھیار یہی اعمالِ مسنونہ ہیں جن پر عمل کر کے وہ ان کے حملوں کے خلاف پوری قوت کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔

دیکھئے! ماں کی محبت ایک مثالی محبت ہوتی ہے، لوگ دنیا میں اس محبت کی مثال دیا کرتے ہیں۔ ایک ماں کو اپنے بچے سے کتنا پیار ہوتا ہے یہ بس وہی عورت جانتی ہے جو خود

ماں ہوتی ہے، ماں کے علاوہ کوئی اور اس پیار کو سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ پھر یہی محبت اور یہی پیار اسے اپنے بچے کی راحت کا خیال رکھنے پر اور اسے نقصان دہ چیزوں سے بچانے پر مجبور کرتا ہے۔ جس جگہ سے بچے کو نقصان پہنچنے کا معمولی سا اندیشہ بھی ہوتا ہے وہ اس جگہ سے اپنے بچے کو دور رکھتی ہے۔

دوستو! کوئی ماں اپنے بچے سے اتنا پیار نہیں کرتی جتنا پیار اللہ رب العزت اپنے بندوں سے کرتے ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت ماں کے مقابلے میں ستر گنا زیادہ اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں اور بعض روایتوں کے مطابق سو گنا زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جب ایک ماں اپنی محبت کے سبب اپنے بچے کا ہر طرح خیال رکھتی ہے اور اپنی بساط بھر اس کی حفاظت کا پورا انتظام کرتی ہے تو کیا اللہ رب العزت نفس اور شیطان کے مقابلے میں اپنے بندوں کی حفاظت کا انتظام نہیں کریں گے؟ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے محبت تو کریں لیکن انھیں دشمنوں سے حفاظت کا سامان اور تدبیر نہ بتائیں، یہ بات ان کی شانِ ربوبیت اور محبت کے بالکل خلاف ہے۔ ان کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی رہبری کریں، انھیں درپیش خطرات سے آگاہ کریں اور ان خطرات سے بچنے کی تمام تر ممکنہ تدبیریں انھیں بتائیں۔

متّبعِ سنت آدمی کی بارعب شخصیت

کیا بتاؤں دوستو! ہم نے سنتوں کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں۔ یہ سنتیں قلعہ ہیں قلعہ، ایک مستحکم قلعہ۔ جب آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو اس اہتمام کے سبب وہ ایک ایسے مستحکم قلعے میں محفوظ ہوجاتا ہے جہاں وہ نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آنے والے

تمام تر خطرات سے مأمون اور محفوظ ہوجاتا ہے۔

نفس اور شیطان چوں کہ ہر وقت بندے کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور ہر وقت اسے نقصان پہنچانے کی کوئی نہ کوئی تدبیر کرتے رہتے ہیں، اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے بندے کی حفاظت کی خاطر اسے ہر وقت کے مسنون اعمال بتلائے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ سنتوں کے اہتمام کی بہ دولت آدمی کی شخصیت بارعب بنادی جاتی ہے اور اس کے دشمن اس سے مرعوب ہونے لگتے ہیں۔

یہ میں اپنے گھر کی بات نہیں کہہ رہا ہوں؛ بل کہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ جب آدمی سنتوں کا اہتمام کرتا ہے تو اس اہتمام کے سبب جہاں نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈالی جاتی ہے وہیں دوسری طرف اس کے دشمنوں پر اس کا رعب بھی ڈالا جاتا ہے۔ پس جب من جانب اللہ یہ بات طے ہوچکی کہ متّبعِ سنت شخص کا رعب دشمن پر ڈالا جائے گا تو نفس اور شیطان بھی تو آدمی کے دشمن ہیں، متّبعِ سنت آدمی کا رعب ان پر بھی ڈالا جائے گا۔

لہٰذا اعمالِ مسنونہ کو ہلکا نہ سمجھیں؛ بل کہ جی جان سے ان پر عمل کی کوشش کریں کہ اتباعِ سنت کے سبب جس طرح آدمی نیک لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالیتا ہے، اسی طرح اس عمل کی برکت سے اس کے دشمنوں پر بھی اس کا رعب ڈالا جاتا ہے۔ لہٰذا جب ہم نیند سے بیدار ہوں تو اس وقت اپنی دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملیں، تین بار الحمد للہ کہیں۔ جب اللہ رب العزت کا نام ہماری زبان پر آئے گا تو خواہ ہمیں محسوس ہو کہ نہ ہو؛ لیکن اس نام کے اثرات یقیناً پڑ کر رہیں گے اور اس کی برکات ضرور ظاہر ہوں گی۔

تجدیدِ ایمان بار بار، تجدیدِ نکاح کبھی کبھی

ساتھ ہی سونے کے سبب جو غفلت ہم پر طاری ہوئی تھی وہ بھی اس مسنون عمل یعنی آنکھ کے ملنے کے سبب جاتی رہے گی۔اس کے بعد کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھیں۔اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر نیند سے بیدار ہوتے ہی یہ کلمہ کیوں کہلایا گیا؟ اس وقت اس کلمہ کے پڑھنے کی کیا مصلحت ہے؟

دوستو! نبی کا کوئی طریقہ اور ان کی کوئی سنت فائدے اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ان فوائد و مصالح تک ہماری عقل کی رسائی ہو یا نہ ہو؛ لیکن اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کے تمام طریقوں میں بے شمار فوائد و مصالح رکھے ہیں۔اس وقت اس کلمے کو پڑھنے کے بہت سے فوائد و مصالح حضراتِ علمائے کرام جانتے ہوں گے؛ لیکن مجھ بے پڑھے لکھے کی سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ یہ کہ اللہ رب العزت یہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے کی صبح اس کلمے کے ساتھ ہو جسے پڑھ کر آدمی ایمان میں داخل ہوتا ہے۔اس لیے کہ پتہ نہیں رات کو سونے سے قبل اس نے اپنی بیوی سے یا گھر کے کسی دوسرے فرد سے کوئی ایسا کلمہ کہہ دیا ہو جس کی بنا پر یہ ایمان سے خارج ہو گیا ہو اور اسے اس کا احساس بھی نہ ہوا ہو، لہٰذا صبح سویرے وہ میری تعریف کے بعد اس کلمے کو کہہ لیا کرے تا کہ اس کے ایمان کی تجدید ہو جائے ۔ اور پھر تجدیدِ ایمان کا حکم تو حدیثِ پاک میں بھی دیا گیا ہے، وہاں بھی اس عمل کی ترغیب وارد ہوئی ہے ۔ چناں چہ ایک روایت میں جناب نبیٔ اکرم ﷺ نے خود حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ایمان کی تجدید کا حکم دیا ہے ۔ فرمایا جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو ۔ پھر صحابۂ کرامؓ کے

استفسار پر کہ ہم اپنے ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

اس طرح کی روایات کے پیشِ نظر فقہائے کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جس طرح آدمی کو اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیے، اسی طرح اسے کبھی کبھار اپنے نکاح کی بھی تجدید کر لینا چاہیے ۔ اس لیے کہ اگر خدانہ خواستہ کسی کلمۂ کفر کے کہہ دینے کے سبب اس کا ایمان سلب ہو گیا ہو گا تو ایمان سلب ہوتے ہی نکاح بھی ٹوٹ جائے گا، ایسی صورت میں خود اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس لیے بہ طورِ احتیاط یہ ترغیب دی گئی کہ ایمان کی تجدید کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی اپنے نکاح کی تجدید بھی کر لیا کرو تا کہ حرام کے ارتکاب سے محفوظ رہو۔

سنت کی خلاف ورزی کے ساتھ ولایت نہیں ملتی

الغرض میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اتباعِ سنت کے بغیر آدمی خدا کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ رب العزت کا تعلق، ان کی قربت، ان کی محبت، ان کی معرفت، یہ ساری نعمتیں اتباعِ سنت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں ۔ یہ نعمتیں صرف اسی کو ملتی ہیں جو اپنے ہر عمل میں ان کے محبوب کی نقل اتارنے والا بن جائے۔

چناں چہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ ایک علاقے میں ایک صاحب کی بڑی شہرت تھی کہ بڑے بزرگ ہیں، بڑے اللہ والے ہیں۔ ان کا شہرہ سن کر ایک بزرگ کو خیال ہوا کہ جب اتنے بڑے اللہ والے ہیں تو مجھے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اور ان سے ملاقات کرنی چاہیے۔ چناں چہ وہ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر ان

سے عقیدت مندانہ ملاقات کی۔ دورانِ گفتگو ان صاحب نے قبلے کی سمت تھوکا۔ حضرت نے دیکھا تو آپ کو بڑا تعجب ہوا کہ ان کی بزگی اور ولایت کا تو اس قدر شہرہ ہے اور انھیں اتنا بھی خیال نہیں کہ قبلے کی سمت تھوکنا نہ چاہیے۔ واپس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ جو کعبۃ اللہ کا احترام نہ جانتا ہو اور جسے یہ بھی نہ پتہ ہو کہ قبلے کی سمت تھوکنا خلافِ سنت ہے وہ بھی کہیں بزرگ اور ولی ہوسکتا ہے؟ یہاں بزرگی نہیں، بزرگی کا دھوکہ ہے۔

جو نبی کا نہیں وہ خدا کا نہیں

نفس اور شیطان ہر وقت انسان کو دھوکہ دینے کے درپے رہتے ہیں اور دھوکہ دینے کے لیے نِت نئے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اللہ پاک ان کے تمام دھوکوں سے ہماری اور پوری امت کی حفاظت فرمائیں۔ وہ کس کس طرح دھوکہ دیتے ہیں اس کی ایک مثال بھی سنتے چلیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب جن سے کچھ غائبانہ تعارف تھا، بمبئی آئے اور میرے مہمان ہوئے۔ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ بڑی معرفت بھری باتیں کررہے تھے، دورانِ گفتگو عشقِ خداوندی اور عشقِ رسول پر برجستہ اشعار بھی سناتے جاتے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے شکیل بھائی! کیا بتاؤں، اب تو دنیا میں جی ہی نہیں لگتا، لوگوں سے ملاقات بھی طبیعت پر بہت شاق گذرتی ہے، ہردم بس انھیں کے خیالوں میں گم رہتا ہوں اور انھیں سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ مجھے بھی ان کی باتوں پر اور ان کی حالت پر بڑا رشک آیا۔ میں نے کہا بھئی! آپ کو آپ کا یہ حال بہت مبارک ہو، دعا کریں کہ ہمیں بھی وہ حال جو اللہ رب العزت کو پسند ہو نصیب ہوجائے۔ وہ چوں کہ میرے مہمان تھے، کچھ روز قیام کے

ارادے سے آئے تھے، اس لیے اکثر اوقات ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔

لیکن دوستو! کیا کہوں اور کیسے کہوں، مجھے یہ دیکھ کر بڑا ہی افسوس ہوا کہ زبان پر تو عشقِ خدا اور عشقِ رسول کی باتیں ہیں؛ لیکن زندگی میں سنتوں کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ میں نے دورانِ قیام ان کے جتنے اعمال دیکھے ان میں اکثر سنت کے خلاف تھے۔ دیکھتا رہا اور دیکھ دیکھ کر افسوس ہوتا رہا اور ان کی اس سادہ لوحی پر؛ بل کہ اس دھوکے پر جو انھیں لگا تھا، بڑا ہی دکھ ہوا؛ لیکن کہتا کیسے کہ وہ میرے مہمان جو تھے۔ البتہ ان کے رخصت ہونے کے دن میرے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا اور میں نے مناسب انداز میں ان سے کہہ دیا کہ بھائی صاحب! گستاخی معاف، اگر آپ برا نہ مانیں تو میں بڑے ادب کے ساتھ ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس لیے کہ آپ میری محبت اور عقیدت لیے یہاں تشریف لائے ہیں، میرے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں اور کسی درجے میں آپ کو مجھ سے ہم دردانہ تعلق بھی ہے، اس تعلق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ میں بھی آپ کی ہم دردی چاہوں اور اس بات سے آپ کو آگاہ کروں جو آپ کے حق میں نقصان دہ ہے۔ لہٰذا ایک بات دیانۃً آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ آپ کو آپ کے اس حال کی بنا پر دھوکہ لگ گیا ہے۔ یہ استغراقی کیفیت، معرفت بھری باتیں اور عشقیہ اشعار کا برجستہ زبان پر آجانا، ان سب سے آپ دھوکے میں نہ آئیں اور نہ یہ خیال کریں کہ میں کچھ ہوگیا ہوں اور مجھے تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہوچکی ہے۔ یہ سب احوال اور کیفیات نفس اور شیطان کی پیدا کردہ ہیں اور ان کی جانب سے دیا گیا بہت بڑا دھوکہ ہے جس میں آپ مبتلا ہوگئے ہیں۔ میں ایک بار پھر معذرت

کے ساتھ کہتا ہوں کہ جتنے روز آپ میرے یہاں رہے، میں نے بہ غور آپ کے اعمال کو دیکھا اور یہ دیکھ کر مجھے بڑا افسوس ہوا کہ آپ کی زندگی میں مسنون اعمال کا اہتمام ہے اور نہ ہی مسنون دعاؤں کا۔ اور جس کی زندگی مسنون اعمال اور مسنون دعاؤں کے اہتمام سے عاری ہو، وہ ضابطے کی رو سے خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ میاں! یہ دھوکہ ہے دھوکہ، جو نبی کا نہ ہوا وہ خدا کا ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ جلد سے جلد اس دھوکہ سے نکلیں اور اپنے روزمرّہ کے تمام اعمال کو سنتوں سے آراستہ اور مزین کرنے کی کوشش کریں۔

اسی بات کو عارف باللہ حضرت حکیم اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس انداز سے فرمایا ہے کہ:

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

یاد رکھیں! جب تک زندگی سنت کے سانچے میں نہ ڈھل جائے اور سنت طبیعتِ ثانیہ نہ بن جائے اس وقت تک تعلق مع اللہ کی دولت کا حصول محض خیالِ خام اور سراسر دھوکہ ہے جو نفس اور شیطان کی طرف سے دیا گیا ہے۔

چوں کہ وہ بھلے اور سمجھ دار آدمی تھے اس لیے انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ بات تو واقعی بالکل ٹھیک ہے۔ چناں چہ رخصت ہونے سے قبل انھوں نے مسنون دعائیں، رسول اللہ ﷺ کی سنتیں، اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ اور اس طرح کی کچھ اور کتابیں حاصل کیں اور وطن پہنچ کر انھیں پڑھا اور سیکھا۔ اور پھر مجھے فون پر اطلاع دی کہ حضرت! میں نے اب تک ان کتابوں سے اتنی دعائیں اور اتنی سنتیں سیکھ لی ہیں اور الحمدللہ ان پر

پابندی کے ساتھ عمل بھی کر رہا ہوں۔ یہ سن کر میرا بڑا جی خوش ہوا۔

ہم ذرا اپنے حال پر غور کریں

یہ تو ان صاحب کی بات ہوئی؛ لیکن یہاں ٹھہر کر ہم ذرا اپنے حال پر بھی غور کریں اور دیکھیں کہ کہیں ہمارا حال بھی انہی کی طرح تو نہیں کہ ہم بھی عشقِ خدا اور عشقِ رسول کی باتیں تو خوب کرتے ہیں، موقع ملنے پر سنت کی اہمیت پر بڑی لچھے دار تقریر بھی کر لیتے ہیں، سنت کے فوائد گناتے نہیں تھکتے اور لوگوں میں چل پھر کر کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے طریقے ہی میں کامیابی ہے؛ لیکن یہ باتیں صرف زبان کی حد تک محدود رہتی ہیں، عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیں! کہ ایک ہے دین کا علم اور ایک ہے دین پر عمل، فقط علم کی بنیاد پر اور دین کی محنت کرنے کی بنیاد پر کوئی دین دار نہیں ہوجاتا، دین کا علم ہونا اور ہے دین دار ہونا اور ہے۔ اسی طرح دین کی محنت کرنا اور ہے اور دین دار ہونا اور ہے۔ کسی کی تقریر یا تحریر کو دیکھ کر اسے دین دار نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ عملی زندگی سنت و شریعت کے مطابق نہ ہو۔

دین داری کا معیار

ایک ایسی آڈیو کیسٹ یا سی ڈی جس میں دینی بیانات محفوظ ہوں اور بیانات بھی کسی اللہ والے کے ہوں، ان بیانات کو سن کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ ماشاء اللہ یہ کیسٹ یا یہ سی ڈی بڑی دین دار ہے۔ اسی طرح کسی دینی کتاب کو دیکھ کر یا اسے پڑھ کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ ماشاء اللہ یہ کتاب بڑی دین دار ہے۔ پتہ چلا کہ دینی باتوں کو یاد کر لینا، انھیں بیان کر دینا، انھیں لکھ کر

محفوظ کرلینا دین داری کا معیار نہیں ہے۔

دین داری کا اصل معیار تو یہ ہے کہ آدمی اپنی یاد کی ہوئی باتوں پر، اپنی بیان کی ہوئی باتوں پر اور اپنی لکھی ہوئی باتوں پر عمل بھی کرتا ہو؛ لیکن آج ہمارا مزاج یہ ہو چلا ہے کہ ہم دینی باتوں کے جان لینے کو، انھیں یاد کرلینے کو، انھیں بیان کر دینے کو یا انھیں لکھ دینے کو دین داری کا معیار سمجھ بیٹھے ہیں، خواہ وہ باتیں ہماری عملی زندگی سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں۔

روحانی موت کا سبب

دیکھیے! نگاہ نیچی رکھ کر چلنا سنت ہے۔ جب بندہ نگاہ نیچی رکھ کر چلتا ہے تو وہ ظاہری گندگی سے بھی محفوظ رہتا ہے اور باطنی گندگی سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ جس طرح ظاہری گندگی لگ جانے کی صورت میں آدمی کا جسم یا کپڑا گندہ اور ناپاک ہوجاتا ہے، اسی طرح جب آدمی باطنی گندگی میں ملوث ہوتا ہے تو اس کے سبب اس کا دل گندہ اور خراب ہوجاتا ہے۔ بدنظری بھی ایک باطنی گندگی ہے اور یہ عموماً نگاہ اٹھا کر چلنے کے سبب لگتی ہے۔ جب بندہ نگاہ اٹھا کر چلتا ہے اور بدنظری کر بیٹھتا ہے تو اس بدنظری کی وجہ سے اس کا دل گندہ ہوجاتا ہے۔

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ اور فقط تیر ہی نہیں؛ بل کہ ایک ایسا تیر ہے جو زہر میں بجھا ہوا ہے۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ زہر میں بجھا ہوا تیر کس قدر مہلک اور خطرناک ہوتا ہے۔ تیر کو زہر میں اسی لیے بجھایا جاتا ہے کہ اگر یہ دشمن کو ذرا سا بھی لگ جائے تو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو۔ اسی طرح یہ نگاہ بھی ابلیس کا ایک تیر ہے جو پوری طرح زہر میں بجھا ہوا ہے۔ حالتِ جنگ میں استعمال کیے جانے والے تیر کا نشانہ تو پورا جسم ہوتا ہے، خواہ وہ تیر جسم کے کسی حصے میں لگے اور دشمن کو

نقصان پہنچے؛ لیکن بدنظری ابلیس کا ایک ایسا تیر ہے جس سے وہ سیدھے دل کو نشانہ بناتا ہے اور اس پر وار کرتا ہے۔ ہم اور آپ سمجھتے سکتے ہیں کہ جس زہر میں بجھے ہوئے تیر کا نشانہ دل ہو اور وہ تیر اپنے نشانہ پر لگ بھی جائے تو کیا پھر وہ آدمی زندہ بچ سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ یہ نگاہ کا تیر جب آدمی کے دل پر لگتا ہے تو وہ جسمانی طور پر تو مردہ نہیں ہوتا، چلتا پھرتا ہی دکھائی دیتا ہے؛ لیکن اس حملے کے سبب اس کے دل کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

ہمیں طاعت کی لذت کیوں نہیں ملتی؟

دوستو! جب ہم نگاہ کا غلط استعمال کرتے ہیں تو ابلیس کا یہ تیر سیدھا ہمارے دل پر لگتا ہے اور ہمارے دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ ہمیں خدا کے گھر آتے جاتے ایک عرصہ گذر گیا؛ لیکن آج تک ہمارا ان کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں بنا، نماز پڑھتے ہوئے برسوں گذر گئے؛ لیکن آج تک ہمیں نماز کی لذت نہیں ملی، رکوع کا کیف نہیں ملا، سجدے میں اللہ رب العزت کی قربت کا احساس نہیں ہوا، قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں؛ لیکن کبھی اس پاک کلام کی حلاوت نہیں ملی، کیا یہ بات قابلِ غور نہیں ہے؟ کیا کبھی ہم نے سوچا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ نگاہ کے غلط استعمال کے سبب ہمارا دل مردہ ہو چکا ہے، اب اسے طاعت کی لذت ملتی ہے اور نہ ہی خدا کی قربت کا احساس ہوتا ہے۔ اور ہو بھی کیسے؟ کہیں مردہ اور بے جان بھی کسی چیز کو محسوس کیا کرتا ہے؟

دوستو! اگر ہم دو چار مرتبہ کسی کے گھر چلے جاتے ہیں تو ہمارا ان کے ساتھ ایک تعلق بن جاتا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ اپنائیت کا احساس ہونے لگتا ہے، پھر جوں جوں یہ آمد و رفت بڑھتی جاتی ہے آپسی تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتے جاتے ہیں،

پھرایک وقت آتا ہے کہ ہم کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے ان کے ساتھ گھریلو تعلقات ہیں ۔ اگر یہ تعلقات علاقے کے کسی سیٹھ اور دولت مند آدمی کے ساتھ ہوجائیں یا حکومت کے کسی عہدے دار کے ساتھ ہوجائیں اور بہ کثرت ان کے گھر آمدورفت ہونے لگے تو اس تعلق کے سبب ہم اپنے اندر ایک قوت بھی محسوس کرتے ہیں کہ فلاں سیٹھ کے ساتھ ہمارا تعلق ہے، فلاں عہدے دار کے ساتھ ہمارا تعلق ہے۔

دوستو! اللہ رب العزت کے مقابلے میں کسی سیٹھ کی، کسی عہدے دار کی، کسی وزیر اور مشیر کی اور کسی منسٹر کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اللہ رب العزت سے زیادہ پاور اور قدرت والا کوئی نہیں ہے، ان سے زیادہ عظمت وجلالت والا کوئی نہیں ہے، ساری کائنات ان کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جب چاہیں کائنات کے نظام کو زیروزبر کردیں، انھیں کوئی روکنے والا نہیں ہے، وہ جسے چاہیں عزت دیں اور جسے چاہیں ذلیل کردیں، کوئی انھیں پوچھنے والا نہیں ہے۔ ایسی زبردست طاقت اور قدرت والی ذات کے گھر ہم روزانہ آتے جاتے ہیں اور یہ آمدورفت ایک عرصے سے جاری ہے ۔ کیا کبھی ہم نے سوچا کہ اتنے دنوں کی آمدورفت کے نتیجے میں ہمارا ان کے ساتھ کچھ تعلق بنا یا نہیں اور اس تعلق کی بنا پر ہمیں اپنے اندر کوئی قوت محسوس ہوئی یا نہیں؟

میاں! ان کے ساتھ ہمارا تعلق تو کیا بنتا، آج تک ہماری ان سے شناسائی بھی نہیں ہو پائی، ہم روزانہ مسجد جاتے ہیں؛ لیکن جیسے جاتے ہیں ویسے ہی چلے آتے ہیں۔ مسجد سے نکلتے ہوئے ہمیں کبھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم اللہ رب العزت کے دربار سے ہوکر آرہے ہیں جو سارے جہانوں کا خالق و مالک ہے اور پوری کائنات کا اکیلا بادشاہ ہے۔

ایک دولت مند کے گھر ہوکر آئیں تو اس کے ساتھ تعلق کا ہمیں احساس ہوتا ہے، ایک عہدے دار کے گھر ہوکر آئیں تو اس کے ساتھ تعلق کا ہمیں احساس ہوتا ہے، کسی وزیر اور منسٹر کے گھر ہوکر آئیں تو اس کے ساتھ تعلق کا ہمیں احساس ہوتا ہے اور رب العالمین کے دربار سے ہوکر لوٹتے ہیں تو ان کے ساتھ تعلق کا ہمیں کوئی احساس ہوتا ہے اور نہ ہی اس تعلق کی بنا پر ہم اپنے اندر کوئی قوت محسوس کرتے ہیں۔

بتائیں دوستو! کیا یہ بات قابلِ غور نہیں ہے؟ بے دلی کے ساتھ ان کے گھر جانا، بے دلی کے ساتھ وہاں رہنا اور پھر بے دلی ہی کے ساتھ واپس چلے آنا، یہ ہمارا برسوں کا معمول بن چکا ہے۔ ان کے ساتھ تعلق کا احساس ہونا تو بہت دور کی بات ہے، سچ تو یہ ہے کہ ہمارا ان کے گھر میں دل ہی نہیں لگتا۔

ہمیں احساس کہاں؟

اور دل لگے بھی کیسے، جب دل لے کر وہاں گئے ہی نہیں تھے تو یہ دل لگتا کیسے؛ بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اس دل کو اللہ رب العزت نے اپنے گھر میں لانے کی اجازت ہی نہیں دی، اس لیے کہ بدنظری کے سبب یہ دل مردہ ہو چکا تھا۔ جب ہم اپنے گھر میں کسی مردے کو نہیں رکھتے خواہ وہ مردہ ہمارا کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو تو بھلا اللہ رب العزت اپنے گھر میں کسی مردے کو لانے کی اجازت کیوں کردیں گے؟ جب ہم نے بدنظری کے سبب اس دل کو مردہ کردیا تو اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی سزا یہ دی کہ اس دل کو اپنے گھر کی حاضری سے روک دیا، اسے اندر لانے کی اجازت نہیں دی، کہہ دیا کہ جب تو کسی مردے کو اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتا تو بھلا میں کیوں کر تیرے مردہ دل کو اپنے گھر میں بلانا پسند

کروں گا، نماز کے لیے جسم کو لے کر آجا اور دل کو باہر ہی رہنے دے۔

اور سن! تیرے جسم کو بلا رہا ہوں یہ بھی تجھ پر بہت بڑا احسان کر رہا ہوں، اس لیے کہ میں نے جسم کی پاکی کے جو قوانین بنائے تھے ان کا پاس ولحاظ رکھ کر تو نے اپنے جسم کو پاک کرلیا ہے، لہٰذا جسم کو تو اندر لے آ؛ لیکن دل کو باہر ہی رہنے دے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس بدنظری کے سبب میں تجھے جسم کی حاضری سے بھی روک دیتا۔ اس لیے کہ میں بہت غیور ہوں، مجھ سے زیادہ باغیرت کوئی نہیں ہے، جس طرح مجھے عبادت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں ہے اسی طرح محبت میں بھی کسی کی شرکت گوارا نہیں ہے۔ مجھے یہ ہرگز پسند نہیں کہ میرا نام لینے والا مجھے چھوڑ کر کسی اور کی طرف محبت کی نگاہ ڈالے۔

دوستو! دل کے مردہ ہوجانے کے سبب اللہ رب العزت نے اسے مسجد کی حاضری سے روک دیا۔ اسی لیے ہمارا دل مسجد میں اور نماز میں نہیں لگتا، کتنا ہی اسے کھینچو اور اندر لانے کی کوشش کرو؛ لیکن یہ آتا ہی نہیں۔ بدنظری کی یہ بہت بڑی سزا ہے جو ہمیں دی گئی ہے؛ لیکن ہمیں احساس کہاں ہے؟

وہ دل جس میں جلوہ تمھارا نہیں ہے وہ دل سب کا ہو پر تمھارا نہیں ہے

دلوں کو دھونے والا لکوِڈ (liquid)

اگر جسم یا کپڑا گندہ ہوجائے تو اسے پانی سے دھویا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر دل گندہ ہوجائے تو اسے اس پانی اور صابن سے نہیں دھلا جاسکتا۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا صابن، ایسا پاؤڈر اور ایسا لکوڈ (liquid) ایجاد نہیں ہوا جو دل کی اس گندگی کو دھو سکے۔ دل پاک وصاف ہوتا ہے آنکھوں سے بہنے والے اشکِ ندامت سے۔ جب بندہ سچی پکی توبہ کرلیتا

ہے اور آئندہ باطنی گندگی میں ملوث نہ ہونے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے تب اللہ رب العزت اس کے دل کی گندگی کو دور فرماتے ہیں۔

دیکھیے! عمل کے اعتبار سے یہ کتنی آسان اور کتنی چھوٹی سنت ہے کہ آدمی کو صرف نگاہ نیچی رکھ کر چلنا ہے اور کچھ نہیں کرنا۔ لیکن اس کا نتیجہ اور اس کا فائدہ کتنا بڑا ہے کہ اس عمل کی بنا پر آدمی کے دل کی حیات باقی رہتی ہے، اس کا دل مردہ ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔

میں نے اس سنت کو جو چھوٹا کہا ہے وہ صرف اس بات کو سمجھانے کے لیے کہ یہ عمل بہ ظاہر دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے اور عمل کے اعتبار سے کس قدر آسان ہے کہ اس پر عمل کرنے میں کسی طرح کی کوئی مشقت نہیں ہے۔ ورنہ خدا کی قسم کوئی سنت چھوٹی ہے ہی نہیں۔ میاں! جس عمل پر ان کی نسبت لگ جائے وہ عمل بھی کہیں چھوٹا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ الغرض جسم اور دل دونوں کی حفاظت، نگاہ کی حفاظت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت نگاہ نیچی رکھ کر چلنے ہی میں ہوتی ہے۔

باطن کی تباہی کی وجہ

بہ ہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نگاہ نیچی رکھ کر چلنا سنت ہے اور یہ سنت ہمارے علم میں بھی ہے اور نہ صرف یہ کہ علم میں ہے، بل کہ ہم لوگوں میں اس کا خوب بیان بھی کرتے ہیں اور اس کے بہت سے فوائد بھی گناتے ہیں۔ بیان کرتے ہوئے اور لوگوں کو اس کے فوائد سمجھاتے ہوئے ہماری زندگی گذر گئی، لیکن اگر عمل دیکھیں تو خود ہمارا عمل اس کے برخلاف ہے۔ ہم دنیا کو تو دین سمجھا رہے ہیں، لیکن خود ہمارا حال یہ ہے کہ آج تک ہمیں گردن جھکا کر چلنا نہیں آیا۔ ہمارے باطن کی تباہی اور دل کے اجڑ جانے کی وجہ

یہی ہمارا عملی نفاق اور قول وعمل کے مابین یہی تضاد ہے کہ ہماری باتیں خوب اچھی ہوتی ہیں، بیان خوب اچھا ہوتا ہے، تالیف وتصنیف بہت عمدہ ہوتی ہے؛ لیکن عمل، تو وہ سراسر سنت کے خلاف ہوتا ہے۔

کام یابی رب چاہی اتباع میں ہے

اگر ہم بہ غور اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو یقیناً ہم جیسے متّبعِ سنت لوگوں کو اپنا یہ حال نظر آئے گا کہ ہم اکثر مواقع پر سنت سے انحراف کرتے ہوئے زندگی گذار رہے ہیں۔ اللہ رب العزت کی عطا کردہ یہ زندگی جو درحقیقت ایک امتحان اور آزمائش ہے، اس کی حقیقت کو جانے بغیر اسے بس اپنی مرضی سے جیے جا رہے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جن اعمالِ نبوی پر عمل کرنا ہماری طبیعت کو بھاتا ہے اور جن پر عمل کرنے سے ہمارا معاشرے کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، ہم ان پر تو عمل کر لیتے ہیں۔ لیکن جن اعمالِ نبوی پر عمل کرنا ہماری طبیعت کو نہیں بھاتا یا بھاتا تو ہے؛ لیکن ان پر عمل کرتے ہوئے ہمارا معاشرے کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے تو اس وقت ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔

میاں! آقا کی ایسی اتباع کہ جی چاہا تو عمل کر لیا، جی نہ چاہا تو عمل چھوڑ دیا، معاشرے کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہوا تو عمل کر لیا اور ٹکراؤ ہوا تو عمل چھوڑ دیا، ایسی اتباع تو درحقیقت من چاہی اتباع ہے رب چاہی اتباع نہیں ہے اور قیامت کے روز کام یابی رب چاہی اتباع پر ملے گی، من چاہی اتباع پر نہیں ملے گی۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں صاف صاف اعلان فرما دیا ہے کہ ''وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' کہ میرے محبوب تمھیں جو دیں سب لے لو اور جن کاموں سے منع کریں ان

سے باز آ جاؤ؛ لیکن ہم ہیں کہ صرف اپنی پسند کی باتوں کو لیتے ہیں اور جو پسند نہیں ہوتیں انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔

من چاہی اتباع نفس کا دھوکہ ہے

خوب اچھی طرح سمجھ لیں! کہ من چاہی اتباع پر مطمئن رہنا نفس کا بہت بڑا دھوکہ ہے کہ وہ ہماری پسند اور چاہت کے چند اعمال میں سنت کی اتباع دکھلا کر ہمیں مطمئن کر دیتا ہے کہ ماشاء اللہ تمھیں سنتوں کا بڑا خیال رہتا ہے اور ہم بھی ایسے نادان ہیں کہ اس کی جھوٹی تسلی کی بنا پر خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیں! سنت پر عمل کا مطالبہ دل کی چاہت اور معاشرے کی مطابقت کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ سنت کی اتباع تو حتی الامکان ہر معاملے میں کرنی ہے۔ دل چاہے تب بھی اور نہ چاہے تب بھی، معاشرے کو منظور ہو تب بھی اور منظور نہ ہو تب بھی۔ آج تو یہ حال ہے کہ ہمارے گھر کی ایک شادی ہماری دین داری کی اور ہماری اتباعِ سنت کی ساری پول کھول دیتی ہے۔ گھر میں شادی کا موقع کیا آیا کہ سب سے پہلے طریقۂ نبوی کو ایک کنارے کر دیا جاتا ہے، اچھے خاصے دین دار بھی شادی بیاہ کے موقع پر رسم ورواج کی بیڑیوں سے آزاد نہیں ہو پاتے الا ماشاء اللہ۔ وہ بھی گھر کے بڑے بوڑھوں سے اس موقعے کے رسم ورواج معلوم کرتے ہیں کہ ابا یہ کام کیسے کیا جاتا ہے، اماں یہ کام کیسے کیا جاتا ہے، یہ معاملہ کیسے انجام دیا جاتا ہے، اس کے علاوہ ہمیں اور کیا کیا کرنا ہوگا؟ پھر ابا اور اماں کی ہدایات کی روشنی میں سارے معاملات انجام دیے جاتے ہیں۔ بھلا جو کام علما اور مفتیانِ کرام سے پوچھ کر کرنے کا تھا وہ رسم ورواج کے واقفین سے پوچھ کر کیا جا رہا ہے۔

دیکھیے! یہ ہے ہماری دین داری کی سطح کہ رسم ورواج تو سارے انجام دیں گے اور پھر بھی پکے متّبعِ سنت رہیں گے، کیسا عجیب دھوکہ لگا ہے۔ اور عذر یہ تراشتے ہیں کہ بھئی! اب کیا کریں، ابھی تو یہ کرنا ہی پڑے گا ورنہ ابا ناراض ہوجائیں گے ، ابھی تو اتنا کرنا ہی پڑے گا ورنہ اماں ناراض ہوجائیں گی ، اور پھر آج کل تو اتنا کرنا ہی پڑتا ہے اس کے بغیر کہاں چلتا ہے، اگر یہ بھی نہ کروں تو دوست احباب کیا کہیں گے، رشتہ دار کیا کہیں گے، لوگ کیا سوچیں گے۔

دوستو! یہ سب لکھا جارہا ہے اور اسے ہم خود لکھوارہے ہیں اور آج کا یہی لکھایا گیا کل قیامت کے روز ہمیں پڑھنا ہوگا کہ جس وقت میرے نبی کی اتباع تمھیں اچھی لگتی تھی یا ان کی اتباع کے سبب تمھارا معاشرے کے ساتھ ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا اس وقت تم میرے نبی کو یاد رکھتے تھے اور جس وقت میرے نبی کی اتباع تمھیں اچھی نہیں لگتی تھی یا ان کی اتباع کے سبب تمھارا معاشرے کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا تھا اس وقت تم میرے نبی کو بھول جایا کرتے تھے۔ تمھیں میرے نبی کے ساتھ محبت تھوڑا ہی تھی، تمھیں تو اپنا معاشرہ عزیز تھا، اپنے رشتے دار عزیز تھے، اپنے دوست احباب عزیز تھے، اپنے بیوی بچے اور اپنا گھرانہ عزیز تھا، تم نے لوگوں کے مقابلے میں میرا اور میرے نبی کا کوئی خیال نہ کیا۔ پس جن لوگوں کی رضامندی اور ناراضی کا تم نے دنیا میں خیال رکھا تھا آج اپنے اعمال کا بدلہ بھی انھیں سے لے لو۔ بتائیں دوستو! اس وقت ہمارا کیا بنے گا اور کون ہمارے کام آئے گا؟

جھوٹی پارسائی

اور بعض لوگ اپنا دامن بچانے کی غرض سے کہ میری دین داری پر کوئی بٹہ نہ لگے،

یہ کہتے ہیں کہ میں کیا کروں، میں تو اپنے بچے کی شادی سنت کے مطابق ہی کرنا چاہتا ہوں لیکن میری بیوی نہیں مانتی، کوئی کہتا ہے کہ میرے اماں ابا نہیں مانتے، کوئی کہتا ہے کہ میرے رشتے دار نہیں مانتے۔

یادرکھیں! ایسا کہنے والے صرف لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتے؛ بل کہ خود بھی بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں۔ سارے رسم ورواج کا انجام دینا خود ان کی اپنی چاہت ہوتی ہے؛ لیکن کہیں کیسے کہ دین داری پر حرف جو آئے گا۔ اس لیے کہیں بیوی کا، کہیں دوست احباب کا اور کہیں رشتے داروں کی ناراضی کا بہانہ بناتے ہیں۔

دوستو! ان حیلے بہانوں سے آج کام چل سکتا ہے اور ان کی بنا پر آج لوگوں کو مطمئن کیا جاسکتا ہے، لیکن کل قیامت کی عدالت میں یہ حیلے بہانے کچھ کام نہ دیں گے، وہاں سب کچھ کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ہم اپنی اس جھوٹی پارسائی سے دنیا کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں، خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہماری اس ڈاڑھی ٹوپی سے، ہمارے کرتے پاجامے سے، ہمارے بیان سے، ہماری تالیف وتصنیف سے آج دنیا دھوکہ کھاسکتی ہے اور ہمیں دین دار سمجھ سکتی ہے، لیکن کل قیامت کے روز ان چیزوں کی بنیاد پر اللہ رب العزت دھوکہ نہیں کھائیں گے، وہ خوب جانتے ہیں کہ کون کتنا پارسا ہے۔

آخرت کے ساتھ دنیا کا بھی نقصان

یادرکھیں! مخلوق کی رعایت کی بنا پر خالق کے حکم کو توڑنے اور انھیں ناراض کرنے سے صرف آخرت ہی کا نقصان نہیں ہوتا، دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے اور اس نقصان کا بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جب کبھی لوگوں کو خوش کرنے کی خاطر اللہ رب العزت کو ناراض کیا

گیا اور شریعت کے قونین کو توڑا گیا، کچھ ہی عرصے کے بعد یہ دیکھا گیا کہ وہ سارے لوگ اس سے ناراض ہو گئے۔ اس کے برخلاف اس کا بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ جس نے اللہ رب العزت کی رضامندی کا لحاظ کیا اور لوگوں کی ناراضی کی پرواہ کیے بغیر شریعت کے قوانین کی مکمل پاس داری کی، من جانب اللہ یہ انتظام ہوا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد وہ سارے لوگ اس سے راضی ہو گئے۔ لہٰذا مخلوق کی رضامندی کی خاطر خالق کو ناراض کرنا آخرت کا برباد کرنا تو ہے ہی، ساتھ ہی دنیا کا بھی نقصان مول لینا ہے۔

کہنے کے ساتھ کرنے کا اہتمام ہو

دوستو! کبھی تو ہم غور کریں، تنہائی میں بیٹھ کر کبھی تو اپنی حالت کا جائزہ لیں۔ آخر یہ دورخی زندگی ہم کب تک گذاریں گے کہ زبان پر تو اتباعِ سنت کے فوائد ہوں اور اعمال اکثر سنت کے خلاف ہوں۔ میرے کہنے کا منشا ہرگز یہ نہیں کہ عمل کے اہتمام کے بغیر اتباعِ سنت کے فوائد نہ بیان کیے جائیں، میں ہرگز یہ نہیں کہنا چاہتا؛ بل کہ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری کہی ہوئی باتیں کب تک ہماری زبان تک محدود رہیں گی؟ آخر یہ عملی زندگی کا حصہ کب بنیں گی؟! اگر یہ باتیں زبان کی حد تک محدود رہیں اور ہمارے قول وعمل میں اسی طرح تضاد رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہو جن کی زبانیں کل قیامت کے روز آگ کی قینچیوں سے کاٹی جائیں گی۔ اس لیے کہ حدیثِ پاک کی رو سے یہ سزا انھیں لوگوں کو دی جائے گی جو لوگوں سے کہتے تو تھے؛ لیکن خود اپنی کہی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ کہنا سننا تو جاری رکھا جائے اور اپنی نیت سے کہا سنا بھی جائے؛ لیکن عمل کا اہتمام سب سے زیادہ ہو، اس سے غافل نہ ہوا جائے۔ جب عمل کی نیت سے کہا سنا جائے گا،

دل میں عمل کا سچا پکا جذبہ ہوگا تو عمل کے مواقع پر اللہ پاک خود متوجہ کریں گے کہ دیکھ میرے بندے! تو دن بھر لوگوں سے کہتا پھرا ہے، اب یہ عمل کا موقع آیا ہے، لہٰذا عمل کر لے۔

ایک زبردست شیطانی دھوکہ

لیکن ہوتا یہ ہے کہ جوں ہی اللہ پاک متوجہ کرتے ہیں، معاً ایک دوسرا خیال نفس اور شیطان کی طرف سے آتا ہے کہ ہاں ہاں بہت اچھی بات ہے، واقعی قابلِ عمل ہے، تمھیں ضرور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لیکن آج فلاں عذر ہے پھر کر لینا، آج بہت تھکے ہوئے ہو بعد میں کر لینا، آج ذرا فلاں کام ہے، بس آج رہنے دو کل سے پابندی کے ساتھ اس پر عمل کرنا۔ یہ خیال سراسر نفس اور شیطان کا دھوکہ ہوتا ہے جس میں مبتلا ہو کر آدمی عمل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

دوستو! کل کبھی آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا، جب بھی کل آئے گا وہ کل کی نہیں آج کی شکل میں ہوگا۔ لہٰذا اللہ پاک کی جانب سے متوجہ کیے جانے کے بعد اور دل میں عمل کا خیال آجانے کے بعد یہ سوچنا کہ پھر کر لیں گے، بعد میں کر لیں گے، کل سے کریں گے، سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سوچ ہمارے دشمن کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔

اس دھوکے سے کیسے بچیں؟

لہٰذا اس وقت ان کی باتوں میں آنے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے بجائے کچھ دیر توقف کرنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ایک طرف تو اللہ پاک کی جانب سے ڈالا گیا خیال ہے جو ہمارے سب سے بڑے خیر خواہ اور سب سے بڑے ہم درد ہیں اور دوسری طرف نفس اور شیطان کی طرف سے ڈالا گیا خیال ہے جو ہمارے سب سے بڑے بدخواہ اور سب

سے بڑے دشمن ہیں۔اگر ہم اس وقت اپنے خیر خواہ اور ہم درد کی بات مانتے ہیں اور یہ بھلا کام کرلے جاتے ہیں تو ہمیں اس عمل کے سبب نیکیاں ملیں گی اور یہ نیکیاں کل قیامت کے روز ہمیں جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔اور اگر ہم دشمن کی بات مانتے ہیں اور یہ بھلا کام نہیں کرتے تو نیکیوں سے محروم رہ جائیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے روز انھیں نیکیوں کی کمی ہمارے جہنم میں داخلہ کا سبب بن جائے۔لہٰذا اے دل! اب تو خود فیصلہ کر کہ تجھے کس کی بات ماننا چاہیے، اپنے ہم درد اور خیر خواہ کی جس کی ماننا تجھے جنت تک پہنچائے گا یا اپنے دشمن اور بدخواہ کی جس کی ماننا تجھے جہنم تک پہنچائے گا؟

اگر ہو سکے تو اس وقت ایک کام یہ بھی کریں کہ جب وہ عمل کو مؤخر کروانا چاہیں تو ہم اس وقت اللہ پاک کو پکاریں اور ان سے کہیں کہ یا اللہ! جس طرح آپ نے مجھے اپنی جانب متوجہ ہونے کی توفیق دی ہے اسی طرح آپ مجھے نفس اور شیطان کے پیدا کردہ ان وساوس سے بچتے ہوئے اس عمل کو انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائیے۔مجھے امید ہے کہ اس وقت ان تدابیر کا اختیار کرنا ہمارے اندر ہمت اور قوت پیدا کرے گا اور ہمیں عمل پر کھڑا کردے گا۔الغرض ایک خیال تو دل میں یہ ڈالتے ہیں کہ عمل کو مؤخر کرواتے ہیں۔

ایک اور دھوکہ

اور کبھی یہ کرتے ہیں کہ عمل کا استخفاف دل میں پیدا کرتے ہیں اور یہ سمجھاتے ہیں کہ یہ عمل سنت ہی تو ہے، کوئی فرض یا واجب تھوڑا ہی ہے، اگر نہ کیا تو کیا حرج ہے۔بس جہاں یہ خیال آیا اور آدمی نے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے اپنے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے تو وہ دھوکہ کھا جاتا ہے اور عمل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

چناں چہ ایک مرتبہ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں ایک مرتبہ اپنی کسی ضرورت سے یوپی کے علاقے میں گیا ہوا تھا۔اس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا اور مچھر بھی خوب تھے۔جب رات ہوگئی تو میزبان نے میرے لیے ایک بڑی مچھر دانی کا انتظام کیا۔میں اپنی ساری ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اور اپنے علم کے مطابق سونے سے پہلے کے تمام اعمالِ مسنونہ سے فارغ ہو کر سونے کے لیے مچھر دانی میں چلا گیا۔کرتا پہلے ہی باہر ہک (کھونٹی) پر ٹانگ چکا تھا۔جب لیٹا تو خیال آیا کہ سونے سے قبل مسواک کرنا رہ گیا ہے۔ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ فوراً نفس نے ایک تقریر شروع کردی کہ دیکھو! تم مچھر دانی میں آچکے ہو اور مسواک باہر کرتے میں رکھی ہوئی ہے، کمرے میں مچھر بہت ہیں، اگر مچھر دانی سے باہر نکلو گے تو سارے مچھر اندر گھس آئیں گے، لہٰذا باہر نہ نکلو اور آج مسواک کیے بغیر ہی سو جاؤ۔اور ویسے بھی تم روزانہ مسواک تو کرتے ہی ہو، اگر آج نہ کیا تو کیا حرج ہے؟ اور پھر اس وقت مسواک کرنا سنت ہی تو ہے، فرض یا واجب تو ہے نہیں، سنت پر عمل کے سلسلے میں جو گنجائشیں ہیں وہ سب انھیں کے مواقع کے لیے ہیں، لہٰذا آج رہنے دو کل کر لینا۔

میرے خیال پر نفس نے ایک لمبی چوڑی تقریر کردی؛ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جب آدمی کو سنت پر عمل کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور وہ حتی الامکان اس کا اہتمام کرتا ہے تو پھر ایسے مواقع پر اللہ پاک خود اس کی رہبری فرماتے ہیں۔

چناں چہ جیسے ہی اس کی تقریر ختم ہوئی فوراً اللہ پاک نے میری رہبری فرمائی اور مجھے ایک بزرگ کا قول یاد دلایا، وہ فرماتے تھے کہ ”مشقت کے ڈر سے نیکیاں نہ چھوڑ، مشقت جاتی رہے گی نیکیاں باقی رہیں گی۔اور لذت کے شوق میں گناہ نہ کر، لذت جاتی

رہے گی گناہ باقی رہے گا‘‘۔

دیکھیے! فوراً اللہ پاک کی جانب سے رہبری کی گئی یا نہیں؟ فوراً کی گئی۔ بس پھر کیا تھا، اس قول کے یاد آتے ہی بدن میں بجلی سی دوڑ گئی، ساری سستی ختم ہوگئی اور مجھے اپنے اندر ہمت اور قوت محسوس ہوئی۔ میں فوراً اٹھا، مچھر دانی سے باہر نکلا، کرتے کے اندر سے مسواک نکالی اور مسواک کرکے دوبارہ مچھر دانی کے اندر آیا اور اپنے سرہانے مسواک کھڑی کردی۔ اس لیے کہ سوتے وقت مسواک کا سرہانے کھڑا رکھنا بھی مسنون ہے۔ سوتے وقت حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے جو چیزیں رہا کرتی تھیں ان میں ایک چیز مسواک بھی تھی جسے آپ اپنے سرہانے کھڑی رکھتے تھے۔

متقیوں کے ساتھ رہنے کا فائدہ

دیکھیے! اللہ والوں کی بات میں کتنی تاثیر ہوتی ہے کہ صرف ان کا قول یاد آجانے پر آدمی اپنے اندر ہمت اور قوت محسوس کرتا ہے۔ جب ان کا قول یاد آجانے پر اتنی ہمت اور قوت پیدا ہوجاتی ہے جب کہ کہنے والا سامنے موجود بھی نہیں ہوتا، تو اگر ہم کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں، اخلاص کے ساتھ بہ کثرت ان کی خدمت میں آیا جایا کریں اور ان کے ساتھ ایک مضبوط تعلق اور گہرا ربط بنالیں تو پھر ہم خود سوچیں کہ اس وقت ہماری ہمت اور قوت کا کیا حال ہوگا اور اعمال پر جمے رہنا ہمارے لیے کس قدر آسان ہوگا۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے عام مومنین کو متقیوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم اسی لیے دیا گیا کہ یہ حضرات عزم وہمت کے پہاڑ ہوتے ہیں۔ جب ہم لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہیں گے تو ان کے اعمال دیکھ کر، ان کے اخلاق دیکھ کر، ان کا عزم اور

حوصلہ دیکھ کر ہمارے اندر بھی اعمال پر جمے رہنے کی ہمت اور قوت پیدا ہوگی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ’’دل کو دل سے راہ ہوتی ہے‘‘۔ اس دل کو اللہ رب العزت نے ایسا بنایا ہی ہے کہ وہ بہت جلد چیزوں کا اثر قبول کرتا ہے۔ الغرض میں یہ عرض کررہا تھا کہ نفس اور شیطان کبھی تو مختلف اعذار دکھلا کر عمل کو مؤخر کرواتے ہیں اور کبھی عمل کا استخفاف دل میں پیدا کرکے آدمی کو عمل سے روک دیتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

سنت سے متعلق یہ خیال کہ ’’یہ سنت ہی تو ہے، فرض یا واجب تو ہے نہیں‘‘ ہر ایک کے دل میں آتا ہے۔ لیکن مجھے کہنا تو نہیں چاہیے اور کہتے ہوئے بہت ڈر بھی لگ رہا ہے کہ عامی آدمی جو ہوں، اللہ پاک میری اس گستاخی کو معاف فرمائیں۔ واللہ میں یہ بات تنقید کے طور پر نہیں؛ بل کہ ہم دردی کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ شاید کسی کو یہ بات لگ جائے اور وہ اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرے۔ وہ یہ کہ سنت پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے سلسلے میں اہلِ علم کو یہ اشکال بہت ہوتا ہے کہ سنت آخر سنت ہے، کوئی وجوب کے درجے کی چیز تو ہے نہیں کہ اس پر عمل کا اس قدر التزام کیا جائے۔ سنت پر عمل کے سلسلے میں شریعت نے بڑی گنجائشیں رکھی ہیں۔ عمل کرلیا تو بہت اچھا، بہت خوب، ورنہ کوئی حرج کی بات نہیں۔

دوستو! بے شک سنت سنت ہی ہے، فرض یا واجب کے درجے کی چیز نہیں ہے۔ شریعت کی نگاہ میں اس کا درجہ بہ ہر حال فرائض اور واجبات سے کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر فرائض اور واجبات کی طرح عمل کرنا ضروری ہے اور نہ اس پر اس درجے کی شدت کے ساتھ عمل کا مطالبہ ہی درست ہے؛ بل کہ شریعت نے مختلف اعمال کے جو مختلف درجات مقرر

کر رکھے ہیں ان درجات و مراتب کے اعتقاد کے ساتھ اور ان کے مابین فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی ان اعمال پر عمل کرنا چاہیے۔ مثلاً فرض کو فرض کے درجے میں رکھتے ہوئے، واجب کو واجب کے درجے میں رکھتے ہوئے، سنت کو سنت کے درجے میں رکھتے ہوئے، مستحب کو مستحب کے درجے میں رکھتے ہوئے اور آداب کو آداب کے درجے میں رکھتے ہوئے ہی ان پر عمل کرنا چاہیے۔ تاہم اگر کوئی شخص اپنے طور پر کسی غیر واجب عمل، مثلاً سنت یا مستحب پر بہ نیتِ قربت الی اللہ پابندی کے ساتھ عمل کرتا ہو اور اس عمل کے غیر واجب ہونے کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ اس کے تارک کو لائقِ مذمت بھی نہ سمجھتا ہو تو پھر ایسے شخص کو ضرور اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور خوب ذوق و شوق کے ساتھ کرنا چاہیے۔

نیز اگر شرائطِ مذکورہ کی رعایت کے ساتھ کوئی باپ اپنے بیٹے کو، استاذ اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو سنن و مستحبات کے اہتمام کی ترغیب دے کہ دیکھو بیٹا! سنن و مستحبات کا بھی اہتمام کیا کرو۔ اس لیے کہ اہتمام کرنے میں کچھ جاتا تو ہے نہیں، کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہے، تو اسے ضرور اس کی ترغیب بھی دینا چاہیے، تاکہ سنن و مستحبات کی رعایت و اہتمام ان کا مزاج بن جائے۔ جب انھیں سنن و مستحبات کے اہتمام پر دوام حاصل ہو جائے گا تو پھر فرائض و واجبات کے اہتمام پر بہ درجۂ اولیٰ دوام حاصل ہوگا۔ جب شرائطِ مذکورہ کی رعایت کے ساتھ عوام کو سنن و مستحبات کے اہتمام کی ترغیب دی جا سکتی ہے اور انھیں اس کا اہتمام کرنا بھی چاہیے تو پھر علما جو کہ عوام کے آئیڈیل اور مقتدا ہیں اور جن کے اخلاق و اعمال عوام کے لیے نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتے ہیں، انھیں آخر سنن و مستحبات کا کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے۔

ہاں البتہ جب کچھ لوگ یا کوئی جماعت کسی غیر واجب عمل کو واجب قرار دینے لگے اور اس کے تارک کو مطعون کرنے لگے تو پھر اس وقت سنت کا ترک کر دینا ہی افضل ہے تاکہ اعمال کے مابین فرقِ مراتب واضح ہو سکے، اس وقت کا دین یہی ہے اور یہی شریعت کا مزاج بھی ہے، لیکن اگر یہ بات نہ ہو تو پھر سنت کو "سنت ہی تو ہے" کہہ کر نظر انداز کر دینا اور اس پر عمل نہ کرنا بہت بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔

دیکھیے! جان بچانا فرض کا درجہ رکھتا ہے اور اس فرض کی بجا آوری بقدرِ ضرورت کھانا کھا کر بھی ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ کوئی چیز بھی کھا لیں تب بھی یہ فرض ادا ہو سکتا ہے؛ لیکن ہم سوچیں کہ اس معاملے میں ہمارا مزاج کیا ہے؟ کیا ہم صرف بقدرِ ضرورت کھانے پر اکتفا کرتے ہیں؟ نہیں بل کہ اپنی بھوک کے بقدر کھاتے ہیں۔ اسی طرح کیا جو بھی میسر آ جائے اسے کھا لیتے ہیں؟ نہیں؛ بل کہ اپنی پسند اور چاہت کا خیال رکھتے ہیں۔ اسی طرح کپڑا پہننے کا معاملہ بھی ہے کہ ستر کا چھپانا فرض ہے، اگر ہم ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ڈھانپ لیں اور کسی بھی کپڑے سے ڈھانپ لیں تب بھی یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن کیا ہم اسی قدر کپڑا پہننے پر اکتفا کرتے ہیں؟ نہیں؛ بل کہ پورے بدن کو ڈھانپنا پسند کرتے ہیں اور کسی بھی کپڑے سے نہیں ڈھانپتے؛ بل کہ عمدہ قسم کے کپڑے زیبِ تن کرتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح سنتوں کا معاملہ بھی ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے نفسِ فرائض تو ادا ہو جاتے ہیں؛ لیکن ان کی تکمیل سنتوں کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ بہ الفاظِ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ سنتیں فرائض کی پوری قیمت دلاتے ہیں اور ان میں روح سنتوں کے اہتمام کی بہ دولت پڑتی ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے علمائے کرام کی زبانی سنی اور معلوم کر رکھی ہیں، اس

لیے بیان کردیں۔ ورنہ تو میں اس طرح کے علمی موضوع کو چھیڑتا ہوں اور نہ ہی جانتا ہوں۔

صحابۂ کرامؓ کی سوچ اور ہماری سوچ

اور پھر ان سب سے بڑھ کر بات تو یہ ہے کہ سنتیں کرنے کے لیے ہوتی ہیں، چھوڑنے کے لیے نہیں ہوتیں۔ صحابۂ کرامؓ سنت پر اس لیے عمل کرتے تھے کہ یہ سنت ہے سنت، اسے کیسے چھوڑیں۔ اور ہم سنت کو اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ سنت ہی تو ہے۔ دیکھیے! صحابۂ کرامؓ کی سوچ میں اور ہماری سوچ میں کتنا بڑا فرق ہے۔ وہ سنت کو اس لیے نہیں چھوڑتے تھے کہ یہ ہمارے آقا کی سنت ہے، ہمارے محبوب کا طریقہ ہے۔ بھلا ہم اپنے محبوب کے طریقے کو کیسے چھوڑ دیں۔ اور ہم سنت کو اس لیے چھوڑے رہتے ہیں کہ یہ سنت ہی تو ہے، اگر عمل نہ کیا تب بھی کیا حرج ہے، کوئی گناہ کی بات تو ہے نہیں۔

سنت کو ہلکا نہ سمجھیں

دوستو! ہم سنت کو ہلکا کہتے تو نہیں؛ لیکن اس کا اہتمام نہ کرنا اور اس سے بے اعتنائی برتنا یہی بتلاتا ہے کہ ہم اسے بہت ہلکا سمجھتے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ دنیا کے بہت سے مشکل ترین کام ہم کر لے جاتے ہیں اور کام کی تکمیل میں حارج بننے والی تمام تر رکاوٹوں کو دور کر لے جاتے ہیں؛ لیکن نہیں کر پاتے تو صرف سنت پر عمل نہیں کر پاتے۔ کیا سنت پر عمل کرنا اس قدر مشکل کام ہے کہ ہم سے ہو نہیں پاتا یا پھر یہ کہ ہمارے دل میں سنت کی عظمت انتہائی درجہ کم ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ہم اسے لائقِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ جب کسی کام کی اہمیت اور عظمت دل میں ہوتی ہے تو پھر آدمی تمام تر رکاوٹوں کے باوجود اس کام کو کر لے جاتا ہے، لیکن جب کسی کام کی عظمت اور اہمیت دل میں نہیں ہوتی تو پھر وہ

کام خواہ کتنا ہی آسان ترین کام کیوں نہ ہو، اس کے باوجود آدمی اس کام کو نہیں کر پاتا۔ وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ دل میں اس کام کی عظمت نہیں ہے۔

مستحبات کی رعایت کا فائدہ

اور صرف سنن ہی کیا، آدمی کو تو مستحبات اور آداب کی بھی رعایت کرنا چاہیے کہ ان کی رعایت کرنے میں بھی کچھ نہ کچھ ملتا ہی ہے۔ آپ سوچیں گے کہ اب تک سنتوں کے اہتمام کی بات کہہ رہے تھے، اب مستحبات کے اہتمام کو بھی کہہ رہے ہیں۔ ہاں دوستو! مستحبات کے اہتمام کو بھی کہہ رہا ہوں۔ کیوں کہ جس شخص کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہوگی اسے سنن تو چھوڑیے مستحبات کا ترک کرنا بھی گوارا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ مستحبات کی رعایت بھی بہت کچھ دلاتی ہے۔ کیا دلاتی ہے؟ اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دلاتی ہے۔ وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ اہلِ علم کی زبانی سنا ہے کہ مستحب ''حب'' سے بنا ہے جس کے معنی محبت کے ہیں۔ پس جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہوگی اور وہ اس محبت میں زیادتی کا طالب ہوگا، وہ مستحب کی بھی رعایت کیا کرے گا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت اور ان کے محبوب جناب نبیٔ اکرم ﷺ کی محبت کو پانے اور اسے بڑھانے کا ایک آسان ذریعہ مستحبات کا اہتمام ہے۔ اس لیے کہ مستحبات کی رعایت ہی آدمی کو سنتوں کے اہتمام تک پہنچاتی ہے اور ان کا ترک کرنا سنتوں کے ترک تک پہنچاتا ہے۔

اعمال کا آپس میں ربط

دیکھیے! معروفات میں سب سے کم درجہ آداب کا ہے، اس کے اوپر مستحبات ہیں،

پھراس کے اوپر سنن ہیں، پھراس کے اوپر واجبات ہیں اورسب سے اوپر فرائض ہیں۔
ان کے مابین آپس میں کچھ اس طرح کا ربط ہے کہ آداب کی رعایت کرنا مستحبات کے
اہتمام تک پہنچاتا ہے، مستحبات کی رعایت کرنا سنن کے اہتمام تک پہنچاتا ہے، سنن کی
رعایت کرنا واجبات کے اہتمام تک پہنچاتا ہے اور واجبات کی رعایت کرنا فرائض کے
اہتمام تک پہنچاتا ہے۔اسی طرح اس کے برخلاف بھی ہے کہ آداب کی رعایت نہ رکھنا
مستحبات کے ترک تک پہنچاتا ہے اور مستحبات کا ترک کرنا سنن کے ترک تک پہنچاتا ہے
اور سنن کا ترک کرنا واجبات کے ترک تک پہنچاتا ہے اور واجبات کا ترک کرنا فرائض کے
ترک تک پہنچادیتا ہے۔

سنت سے بے اعتنائی، خطرے کی گھنٹی

کچھ اسی طرح کا مضمون حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ
نے اپنی کتاب ’’اَلْاِعْتِدَالُ فِیْ مَرَاتِبِ الرِّجَالِ‘‘ جو کہ ’’اسلامی سیاست‘‘ کے نام سے
مشہور ومعروف ہے، میں ایک عربی عبارت نقل کی ہے جس میں تقریباً اسی مضمون کو بیان کیا
گیا ہے۔لکھا ہے ’’مَنْ تَهَاوَنَ بِالْاٰدَابِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ السُّنَّةِ وَمَنْ تَهَاوَنَ
بِالسُّنَّةِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِ الْفَرَائِضِ وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ عُوْقِبَ
بِحِرْمَانِ الْمَعْرِفَةِ‘‘۔ کہ جو شخص شریعت کے آداب کو خفیف اور ہلکا سمجھتا ہے اس کو
سنت سے محرومی کا عذاب دیا جاتا ہے۔اور جو شخص سنت کو ہلکا اور خفیف سمجھتا ہے اس کو
فرائض کی محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔اور جو فرائض کو ہلکا سمجھتا ہے وہ معرفت کی محرومی میں
مبتلا ہوتا ہے۔یہ بہت ہی سخت اندیشہ ناک بات ہے۔شریعت کے معمولی آداب کو بھی

استخفاف اور فضول سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہیے کہ اس سلسلے کی ہر کڑی اپنے سے اوپر کی دولت
سے محرومی کا سبب بنتی ہے‘‘۔
لہٰذا سنتوں کو معمولی سمجھیں اور نہ ہی انھیں ’’سنت ہی تو ہے‘‘ کہہ کر نظر انداز کریں۔
کہیں ایسا نہ ہو کہ سنتوں سے ہماری یہ بے اعتنائی دھیرے دھیرے ہمیں فرائض کے ترک
تک پہنچادے، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ ۔

سنت سے منھ پھیرنے کا انجام

ابھی کچھ عرصہ قبل میں نے ایک کتاب میں ایک واقعہ پڑھا، جسے پڑھ کر میں
حد درجہ خوف زدہ ہوگیا ہوں اور بات بھی واقعی بہت ڈرنے کی ہے۔یہ واقعہ امام اوزاعی
رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا ہے جو کہ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر لوگوں
میں ہیں۔یعنی جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ زمانہ حضرت نبی کریم ﷺ کے
زمانے سے بہت زیادہ قریب ہے۔سنیں، ذرا توجہ سے سنیں اور عبرت حاصل کریں۔
علامہ زین الدین ابن رجبؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک ایسا شخص
آیا جو کفن چور تھا۔مگر اب وہ اس قبیح حرکت سے باز آچکا تھا اور توبہ کر کے نیکی کی زندگی
گذار رہا تھا۔علامہ زین الدینؒ نے اس سے پوچھا کہ تم مسلمانوں کے کفن چراتے رہے
ہو اور تم نے مرنے کے بعد ان کی حالت دیکھی ہے۔یہ بتاؤ کہ جب تم نے ان کے چہرے
کھولے تو ان کا رخ کس طرف تھا؟ اس نے جواب دیا کہ اکثر چہرے قبلے کے رخ سے
پھرے ہوئے تھے۔حضرت زین الدینؒ کو بڑا تعجب ہوا۔کیوں کہ دفن کرتے ہوئے تو
مسلمانوں کا چہرہ قبلہ رخ کیا جاتا ہے۔انھوں نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے

میں پوچھا تو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو تین بار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا، پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی میں سنتوں سے منھ پھیرنے والے تھے۔

سنا آپ نے! سنت کو سنت سمجھ کر نظر انداز کردینا کتنے بڑے خطرہ کی بات ہے کہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا اندیشہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب کی اور پوری امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائیں اور جس قدر عظمت ومحبت کے ساتھ سنتوں پر عمل کرنا انھیں پسند ہو ہم سب کو اتنی عظمت ومحبت کے ساتھ سنتوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔

سنتوں پر عمل کے مواقع تلاش کیجیے

اور جسے سنتوں پر عمل کی توفیق ہوجاتی ہے وہ صرف سنتوں پر عمل نہیں کرتا؛ بل کہ سنتوں پر عمل کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے اور جہاں موقع ملتا ہے وہ بہ صد شوق اس پر عمل کرتا ہے۔

چناں چہ ایک آدمی جنھیں میں جانتا ہوں، ان کا معمول ہے کہ جب بازار میں کوئی نیا پھل آتا ہے تو وہ مختلف نیتوں کے ساتھ اسے خرید کر گھر لاتے ہیں۔

۱ ۞ اول اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کی نیت سے۔

۲ ۞ دوسرے اس نیت سے کہ حدیثِ پاک میں موسم کے نئے پھل کے استعمال کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور اس کے مختلف فوائد بتلائے گئے ہیں۔

۳ ۞ تیسرے اس نیت سے کہ جب حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں موسم کا نیا پھل آتا تو آپ اسے بوسہ دیتے، آنکھوں سے لگاتے، پھر یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰھُمَّ کَمَا اَطْعَمْتَنَا اَوَّلَہٗ فَاَطْعِمْنَا اٰخِرَہٗ (اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں اس کا

شروع کھلایا، آپ ہمیں اس کا آخر بھی کھلایئے) اور پھر کسی بچے کو دے دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں موسم کا نیا پھل اسی لیے خرید کر لاتا ہوں تاکہ ان سنتوں پر عمل کرسکوں۔

دوستو! موسم کا نیا پھل ہم بھی خریدتے ہیں اور اپنے گھر لے جاتے ہیں؛ لیکن کیا کبھی ہم نے بھی ان نیتوں کے ساتھ پھل خریدا ہے؟ کیا نیا پھل خریدتے وقت ہمارے دل کے کسی گوشے میں ان سنتوں پر عمل کا جذبہ ہوتا ہے؟ میاں! جذبہ تو کیا ہوتا ہمیں تو اس کا علم ہی نہیں ہے کہ اس موقع کے بھی کچھ مسنون اعمال ہیں جنھیں ہمارے آقا اس وقت انجام دیا کرتے تھے، الا ماشاء اللہ۔ ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ جو سنتیں ہم جانتے ہیں ہم سے انھیں سنتوں پر عمل نہیں ہو پاتا، پھر بھلا ان سنتوں پر عمل کا موقع کیوں کر میسر آئے جو ہمارے علم ہی میں نہیں ہیں۔ معلوم سنتوں پر عمل کا جذبہ ہے اور نہ ہی دیگر سنتوں کے جاننے کی فکر اور جستجو ہے، جہاں ہیں اور جس حالت پر ہیں بس اسی پر مطمئن ہیں۔ اللہ پاک ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور ہماری ان تمام خطاؤں اور قصوروں کو معاف فرمائیں جن کی نحوستوں کے سبب ہمارے دلوں میں سنتوں کی اہمیت اور عظمت کم سے کم تر ہوتی چلی جارہی ہے اور جس کی سزا ہمیں اس صورت میں دی جارہی ہے کہ ہمیں پیارے آقا کی ان پیاری اداؤں کی اتباع ہی سے محروم کردیا گیا ہے۔

دوستو! کچھ تو سمجھیں، سنتوں کی اتباع سے محرومی درحقیقت بہت بڑی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے؛ لیکن افسوس صد افسوس! کہ ہماری غفلت اس درجے کو پہنچ چکی ہے کہ اب ہمیں اس سزا کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ◆ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا